وَحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا

جناب فضّہ

جاریہ جناب سیّدۃ نساء العالمین

مؤلف

راحت حسین ناصری

احمد بک ڈپو

امام بارگاہ رضویہ سوسائٹی کراچی

فہرست

۷۸۶

اِنتساب

میں اپنی اس مختصر دینی خدمت کو اپنی محبوب ترین مرحومہ بھاوج زوجۂ برادرِ محترم جناب مصطفٰے علی خاں صاحب مدظلہٗ کے نامِ نامی سے معنون کرتا ہوں جنھوں نے حقیقی معنوں میں جنابِ فضہؑ کی مکمل پیروی کرتے ہوئے محبتِ اہلبیتؑ اطہار میں اپنی پوری عمر صرف کردی اور آخر وقت تک ذکرِ حسین علیہ السلام مظلوم کا وظیفہ قائم رکھا اور جن کے داغِ مفارقت نے دل میں وہ زخم ڈالا ہے جو مرتے وقت تک بھر نہیں سکتا اور اس دینی تہدیہ کا ثواب اُن کی روحِ پُرفتوح کو بخشتا ہوں اور مولائے کائنات کی خدمت میں دست بستہ عرض ہے کہ اس مختصر دینی خدمت کو شرفِ قبولیت عطا فرمائیں، اور پروردگارِ عالم سے دعا ہے کہ اس کا ثواب مرحومہ کی روحِ پُرفتوح کو عطا فرماتا رہے:

(آمین)

احقر العباد

فردے از ملتِ گریہ کُن:

” راحت حسین ناصری عُفی عنہٗ “

اِفتتاحیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی لَا تُدْرِکُہُ الشَّوَاہِدُ وَلَا تَحْوِیْہِ الْمَشَاہِدُ وَلَا تَرَاہُ النَّوَاظِرُ وَلَا تَحْجُبُہُ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَنَوَامِیِ بَرَکَاتِکَ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَ رَسُولِکَ الْخَاتَمِ لِمَا سَبَقَ وَالْفَاتِحِ لِمَا نُغْلَقَ وَالْمُعْلِنِ الْحَقِّ بِالْحَقِّ اَلرَّسُوْلِ الْمُسَدَّدِ اَبِی الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاہِرِیْنَ الْمَعْصُوْمِیْنَ الَّذِیْنَ اَذْھَبَ اللّٰہُ عَنْھُمُ الرِّجْسَ وَطَھَّرَھُمْ تَطْھِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ:

سیرت نگاری جتنا اہم اور ضروری کام ہے اتنا ہی مشکل اور ذمہ داری کا فریضہ ہے۔ اگر سیرت نگار نے صحیح سیرت نگاری نہ کی اور جذبات میں غرق ہو کر افراط و تفریط سے کام لیا تو سیرت کی صحیح تصویر کشی نہ ہوگی اور یہ صاحب سیرت کے ساتھ ظلم ہوگا۔ سیرت نگار کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ قلم اٹھاتے وقت اس امر کا پورا لحاظ رکھے کہ صحیح حالات بلا جذبات کو دخل دیے ہوئے قلم بند کرے۔ سیرت و سوانح لکھنے میں یہ

ایک عام طریقہ ہے کہ لکھنے والا اپنے عقائد اور جذبات سے کام لیکر واقعات کو غلط انداز میں پیش کرتا ہے۔ سوانح و سیر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جذبہ مرض کی طرح بڑے بڑے مورخین میں وبا کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ گذشتہ مورخین کی کتابیں پڑھی جائیں تو معلوم ہوگا کہ حقیقت سے کتنا بُعد ہو گیا ہے۔ جناب مولانا شبلی صاحب یقیناً ایک اعلیٰ ادیب اور ماہرِ فن سیرت نگار تھے مگر اُن کی تصانیف کو پڑھ کر معلوم ہوگا کہ کوئی تاریخ اس جذبہ سے خالی نہیں ہے حتیٰ کہ "سیرۃُ النبیؐ" ایسی اہم کتاب بھی اپنے جذبات و عقائد کے تحت لکھی گئی ہے اور حیاتِ رسولؐ کو عجیب و غریب انداز میں پیش فرما کر حقیقی واقعات کو محض اپنے عقائد پر ضرب لگنے سے بچانے کے لیے مسخ کر دیا ہے۔ اُن کی ایک اور اہم تصنیف "الفاروق" کے مطالعے سے معلوم ہوگا کہ مصنّف نے جذباتِ عقائد و محبت میں ڈوب کر کتنے ہی واقعات کو غلط طریقہ سے پیش کیا ہے اور کتنے ایسے واقعات کو جن سے عقائد زد میں آتے تھے پوشیدہ کیا ہے۔ غرض یہ صرف اُن ہی پر منحصر نہیں بلکہ بڑے بڑے سیرت نگار اور مورّخ بھی اس سے نہیں بچ سکے ہیں۔

سیرت نگاری کے لیے سب سے ضروری یہ ہے کہ صاحبِ سیرت کے حالات کو ضبطِ تحریر میں لاتے وقت اُس کی شخصیت اور اس کے پورے ماحول پر نظر رکھیں تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ صاحبِ سیرت کے حالات اس

کے ماحول کے مطابق ہیں یا نہیں، اور آیا جس ماحول میں اُس نے زندگی گذاری ہے اس کا اثر اس پر کتنا ہوا ہے اور اُس کے مزاج و فطرت میں اس ماحول نے کتنا اثر کیا ہے۔

تاریخِ عالم میں بہت سے باکمال افراد ایسے گذرے ہیں جو باوجود صاحب علم و کمال ہونے کے آج اُن کے نام و نشان کا بھی پتہ نہیں ہے اور امتدادِ زمانہ نے ان کے نام صفحہ ہستی سے بالکل مٹا دیے۔ خاصکر وہ صاحبِ کمال ہستیاں جو دامنِ اہلِ بیتؑ سے وابستہ تھیں اور جن کے کردار باعثِ زینتِ تاریخ ہوتے اور جن کے اعلیٰ کردار کے نمونے آج مسلمانوں کے لیے شمعِ راہ ہوتے۔ اُن کو نظر انداز کر کے ایک ایسا عظیم نقصان ملّتِ اسلامیہ کو پہونچایا جس کی تلافی محال ہے کسی دوسرے سے ہم کو یہ شکایت بیجا ہوگی کیونکہ وہ تو اپنے عقائد کو بچانے اور اپنے مرشدین پر ضرب لگنے سے رد کنے کے لیے نظر انداز کرتے ہی۔ کیونکہ جب خود اہلِ بیتِ رسولؐ کی زندگی کے حالات کو ہر ممکن طریقے سے پوشیدہ رکھنے، بلکہ مٹانے کی کوئی کوشش اُٹھا نہ رکھی گئی، تو پھر اُن کے وابستگان کے حالات کس طرح قلمبند کیے جاتے، کیونکہ اُن کے حالات قلمبند کرنے کا مقصد اُن کے خلاف کردار رکھنے والوں کو آئینہ دکھانا ہوتا۔ البتہ شکایت اُن سے ہے جو دامنِ اہلِ بیتؑ سے وابستہ ہیں کہ اُنھوں نے اس میں کوتاہی کی اور اُن کے حالات کو قوم کے سامنے پیش نہیں کیا۔ علمائے ماسبق تو ناموافقتِ زمانہ کی وجہ سے اظہارِ حقائق سے معذور تھے لیکن موجودہ زمانہ میں جب کہ ہر قسم کی آزادی حاصل ہے ہمارے

صاحبانِ علم کی غفلت و کوتاہی یقیناً باعثِ تعجب ہے۔

اِس میں شک نہیں ہمارے علمائے کرام نے ائمۂ معصومین ؑ کی سوانحِ حیات اور سِیَر پر بہت مبسوط کتابیں تحریر فرما کر دنیائے شیعت کو بہت فائدہ پہونچایا، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی از حد ضروری تھا کہ اُن محترم ہستیوں کے حالاتِ زندگی پیش کر کے یہ دکھاتے کہ خاندانِ اہلِ بیت ؑ کی ذواتِ مقدّس تو قابلِ تقلید تھیں ہی لیکن اُن کے دامن سے وابستہ ہونے والوں نے کردار کے وہ بیش بہا نمونے پیش کر دیے جن کی مثال نہیں مِل سکتی، اور اگر ملّتِ شیعہ بلکہ مسلمان صرف ان ہی ہستیوں کو مشعلِ راہ بنائیں اور اس کی روشنی میں کردار اختیار کریں تو کمال انسانیت کے اس درجہ پر فائز ہو سکتے ہیں جہاں دوسروں کا گذر بھی نہیں ہو سکتا اور دنیا یہ کہنے پر مجبور ہو جائے کہ آلِ محمدؐ علیہم السّلام کے پیرو ایسے ہوتے ہیں۔

جناب سلمان فارسی، جناب ابوذر غفاری، جناب عمّارِ یاسر، جناب مقداد، جناب کمیل، جناب قنبر، جناب میثم تمّار، اور جناب فضّہ یہ وہ ہستیاں ہیں جنھوں نے دامنِ آلِ محمدؐ علیہم السّلام سے وابستہ ہو کر کردار کے وہ عظیم نمونے پیش کیے جن کو پڑھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے اور بے اختیار منھ سے نکلتا ہے کہ "اللہ کے بندے اِس دنیا میں ایسے بھی آئے ہیں"۔ لیکن افسوس ہے کہ ان محترم ہستیوں کے حالات عام نگاہوں سے پوشیدہ ہیں اور آج ہماری قوم کے بچّے صرف نام سے تو مجالس کی برکت کی بدولت واقف ہیں مگر ان کو نہیں معلوم کہ انھوں نے دنیا میں کن خطرناک

حالات میں کیسے کیسے عظیم کردار ادا کیے اور کن سخت مشکل مصائب میں اپنی جانوں پر کھیل کر آلِ محمد علیہم السّلام کی دینی اور عملی تبلیغ کی۔ ممکن ہے کہ عربی یا فارسی زبانوں میں ان حضرات کے حالات منضبط کیے گئے ہوں، لیکن جہاں تک اُردو زبان کا تعلق ہے ان ذی قدر حضرات کے حالات شاذ و نادر ہی ملتے ہیں۔ حال ہی میں میرے عزیز دوست ملا محمد طاہر صاحب قبلہ کے صاحبزادے عزیزی مرزا محمد جعفر صاحب سلمہٗ نے جناب ابوذر غفاری کے حالات میں دو قابلِ قدر کتابیں شائع کی ہیں، پروردگارِ عالم بتصدقِ اہلِ بیتِ اطہار موصوف سلمہٗ کو عمرِ طویل عطا فرمائے اور ان کے جذبۂ خدمتِ اہلِ بیتِ اطہار میں اضافہ ہوتا رہے۔

جناب سلمان فارسی کی تاریخِ حیات لکھنے کے بعد میں عرصہ سے اس فکر میں تھا کہ جنابِ فضہ کے حالاتِ زندگی قلمبند کیے جائیں، مگر بڑی دقت یہ پیش آئی کہ ان معظمہ کے حالاتِ زندگی اس قدر پردۂ اخفا میں رہے کہ آج ان کا تلاش کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ چنانچہ تلاش و تجسسِ بسیار کے بعد ڈیڑھ سال کی طویل مدت میں کتب خانوں کی خاک چھاننے کے بعد کچھ حالاتِ زندگی مختلف کتابوں سے حاصل ہو سکے پھر بھی پورے حالات نہ مل سکے خاصکر جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی خدمت میں آنے سے قبل کے حالات بالکل پردۂ اخفا میں ہیں صرف ان کا اصلی نام اور وطن تلاشِ بسیار کے بعد متعدد اختلاف کے ساتھ معلوم ہو سکے۔ اسی طرح اہلِ بیتِ رسولؐ کے گھر سے رخصت ہونے کے اسباب

اور اس کے بعد کے حالات بھی تفصیل سے نہیں مل سکے بہر حال مختلف کتابوں سے مل سکے بس وہی ناظرین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں اگرچہ تفصیلی حالات فراہم نہ ہو سکے لیکن جو اس مختصر کتابچے میں پیش خدمت کیا جا سکا ہے وہی ان کے کردار کی عظمت کو دنیا کے سامنے ثابت کرنے کے لیے کافی ہے اور ان سے قوم کی بیٹیاں بہت کچھ فوائد حاصل کر کے اپنے کردار کو سنوار سکتی ہیں۔ یہاں تک لکھنے کے بعد اب میں اپنی قوم کی بیٹیوں سے خطاب کر کے کہنا چاہتا ہوں کہ تم اُس قوم کی اولاد ہو جو اپنے کو اہلِ بیتِ رسولؐ سے وابستہ ہونے اور اُن کی غلامی کی مدعی ہے تو پھر اس بات پر غور کرنا ہوگا کہ ان ذواتِ مقدسہ سے وابستگی اور غلامی کا مطلب کیا ہے ؟

کیا اس کا صرف یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ زبان سے غلامی کا دعوٰے کرتے رہیں اور ایامِ عزا میں ان کا ذکر سُن کر صرف چند آنسو بہا لیں یا سینہ کوبی کرلیں۔ درحقیقت یہ نہ وابستگی ہے اور نہ غلامی، بلکہ یہ محض موروثی رسم پرستی ہے اور اُن کا نام لے کر ان کو بدنام کرنا ہے۔ بلکہ وابستگی اور غلامی کا صحیح مطلب یہ ہے کہ ہم ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کریں اور ان کے کردار کو اپنی عملی زندگی میں مشعلِ راہ بنائیں۔ جو اعمال و افعال انھیں پسند ہیں ان کو اختیار کریں اور جو انھیں ناپسند ہیں ان سے ہم پرہیز کریں اُن کے کردار کے پیش کرنے کا مقصد یہی ہے کہ اُن کے محب اور شیعہ ان کی عملی پیروی کریں۔ لہٰذا محبت و مودت کا دعوٰی اسی وقت سچا ہو سکتا ہے جب ہم

ان کے کردار کو اختیار کرنے کی کوشش کریں۔ جب یہ طے ہے کہ شیعہ ہونا اسی پر منحصر ہے تو اب اپنے نفس کا جائزہ لینا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ ہم حقیقت میں شیعہ ہیں یا صرف زبانی دعویدار ہیں۔ کیا ہمارے کردار و اطوار میں کوئی شباہت بھی اُن کے کردار کی ہے۔ کیا ہم نے اُن کے ارشادات و احکامات پر کبھی عمل کرنے کا خیال بھی کیا ہے؟ عموماً لوگ یہ کہہ کر فرائض سے سبکدوش ہونے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ معصوم تھے، امام تھے، ہم اُن جیسا کردار کیسے پیش کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ کبھی نہیں کہا جاتا کہ تم اُن کی طرح معصوم ہو جاؤ۔ تم کیا، یہ تو وہ ہستیاں ہیں جن کی برابری گذشتہ انبیاءؑ نہیں کر سکے لیکن اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش ہی اُن کا اتباع ہے اور صرف کوشش ہی کرنے سے بہت کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ تم جنابِ سیدہؑ نہیں بن سکتیں، ہمارے بیٹے بھی حسنؑ و حسینؑ عابدؑ و باقرؑ وغیرہ (علیہم السّلام) جیسے نہیں ہو سکتے، کیونکہ وہ معصوم تھے لیکن (اے قوم کی بیٹیو!) تم فضہؓ تو بن سکتی ہو۔ ہمارے بیٹے سلمان، ابوذر، عمّار، مقداد و کمیل تو بن سکتے ہیں۔ جناب فضہ ایک مدّت تک کفر کی فضا میں پرورش پانے کے بعد خدمتِ اہلبیتِ اطہار میں آئیں اور انھوں نے اپنے کردار کو آلِ محمدؐ کے کردار سے سبق لیکر ایسا سنوارا کہ اپنے اندر اس کی جھلک پیدا کرلی۔ برخلاف اس کے تم تو کئی پشتوں سے صاحبِ ایمان چلی آرہی ہو۔ تم میں پوری صلاحیت کردارِ اہلِ بیتؑ کے جذب کرنے کی موجود ہونا چاہیے۔ پھر تم میں وہ بھی ہیں جن کو

اُن کی اولاد ہونے کا شرف حاصل ہے اور جناب سیّدہ کا پاک خون تمہاری رگوں میں دوڑ رہا ہے ان میں تو فطرۃً کردارِ جناب سیّدہ کے اثرات ہونا چاہئیں۔ ان کے واسطے تو یہ خیال ہی کافی ہے کہ اُن معصومہ کی اولاد ہیں۔

لہٰذا اُن کے کردار کی جھلک اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش بھی کرنا چاہیے لیکن یہ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ چند روزہ دنیاوی آسائش کے خیال سے ابدی زندگی کی آسائشوں کو قربان کر دیا جائے۔

میری عزیز بچیو! تم غیر قوموں کے نقشِ قدم پر چل سکتی ہو، اُن کے افعال و کردار کو اختیار کرنے میں تم کو کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی بلکہ شوق سے اختیار کر لیتی ہو حالانکہ اس میں ابدی آسائشوں کا زیاں ہے لیکن جن کی پیروی کرنا عارضی تکلیفوں اور آسائشوں کی ضامن ہے اور دنیاوی زندگی میں بھی تمھیں انسانیت کے کمال پر پہونچا سکتی ہے اُن کو تم نے چھوڑ رکھا ہے۔ تم جنابِ زینبؑ کی بے پردگی کا ماتم کرتی ہو لیکن خود برضا و رغبت مجمعِ عام میں بے پردہ نکلتی ہو، علوم مغربی حاصل کرنے میں نمایاں حصّہ لیتی ہو لیکن علومِ اہلِ بیتؑ کے حصول کی طرف رغبت نہیں کرتیں۔

ملّتِ جعفریہ کی بچیو! میں حصولِ علمِ مغربی کا مخالف نہیں ہوں ضرور حاصل کرو لیکن اس کے ساتھ اپنے دین کی تعلیم پر بھرپور توجّہ دینا بھی ضروری ہے (بلکہ علمِ دین حاصل کرنا فریضہ ہے) اور نہ بھولو کہ تم

اہلبیتؑ اطہار کی نام لیوا ہو اس لیے ان کے کردار کی ممکن حد تک تمھارے اندر نمایاں جھلک ہونا ضروری ہے اور اسی مقصد میں تمھارے سامنے جنابِ سیدہؑ کا نہیں بلکہ اُن کی کنیز جنابِ فضہؑ کا حال جتنا مجھ سے ممکن ہوسکا پیش کر رہا ہوں اور دل تمنا ہے کہ تم کم از کم اُن ہی کی پیروی کرکے دنیا پر ثابت کردو کہ اہلبیتؑ کی کنیزیں ایسے بلند اور پاکیزہ کردار والی ہوتی ہیں۔

بہر حال میں نے دو سال بیشتر اس کتابچے کو لکھنا شروع کیا تھا لیکن اس دوران میں متعدد قلبی دورے پڑنے کی وجہ سے جلد تکمیل نہ ہو سکی۔ تاہم پروردگارِ عالم کا شکر گذار ہوں کہ اُس نے بتصدق اہلبیت موت سے اتنی مہلت عطا فرمائی کہ میں اس دینی خدمت کی یک گونہ تکمیل کرسکا۔ بحمداللہ کتاب مکمل کرکے ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے۔ انتہائی کوشش کی گئی ہے کہ واقعات صحیح درج کیے جائیں، اپنی اس سعی میں کس حد تک کامیابی حاصل کرسکا ہوں۔ اہلِ علم حضرات اس کا فیصلہ کریں گے۔ جائز الخطا ہونے کے لحاظ سے معترفِ سہو و خطا ہوتے ہوئے ناظرینِ کرام سے معافی کا بھی متمنی ہوں اور دعائے خیر سے یاد کیے جانے کا بھی ملتجی ہوں اور عرض پرداز ہوں کہ بعد مطالعہ کوتاہیوں اور فروگذاشتوں سے مشفقانہ طور پر مطلع فرمایا جائے اور مفید مشوروں نیز ہدایتوں سے نوازا جائے۔

یہ مختصر ہدیہ اپنی مخدومہ جنابِ فضہؑ کی خدمتِ عالیہ

میں پیش کرکے عرض ہوں کہ بی بی ! یہ بے بضاعت کا ہدیہ آپ کے قابل تو نہیں ہے لیکن اس کے مقصدِ تحریر پر نظر کرتے ہوئے آپ اس کو اپنی مخدومہ جنابِ سیدۂ عالمیاں سلام اللہ علیہا کی خدمت میں پیش کرکے سفارش فرما کر شرفِ قبولیت کی سند عطا کرادیں تو روزِ محشر میرے گناہوں کا کفارہ اور عذابِ دوزخ سے نجات کا پروانہ ہو جائے گا

والسّلام

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ الْمَعْصُوْمِیْنَ وَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰی اَعْدَآئِهِمْ اَجْمَعِیْنَ

احقر العباد

فردے از ملتِ گریہ کن

راحت حسین ناصری

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

جناب فضہؑ کے حالات قبولِ اسلام سے قبل اور آپ کا وطن

آپ کے وطنِ حقیقی کے متعلق بہت اختلاف ہے۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ آپ حبشی النسل تھیں اور ملکِ حبش سے جب جناب جعفر طیارؑ واپس تشریف لائے تو بادشاہِ حبش نے جناب رسولِ مقبولؐ کی خدمت میں ہدیۃً پیش کیا تھا اور اس کی سند میں وہ واقعہ پیش کیا ہے کہ جب دربارِ یزید میں آپ اہلِ حرم کے سامنے پردہ کرنے کی غرض سے ایستادہ ہو گئی تھیں اور یزید نے حکم دیا تھا کہ ان کو سامنے سے ہٹا دیا جائے، تو اُس وقت آپ نے دربار میں متعین حبشی غلاموں کو غیرت دلائی تھی، جس پر وہ تلواریں کھینچ کر آمادۂ فساد ہوئے تھے تو یزید کو خاموش ہونا پڑا تھا۔ لیکن یکے از محققین[1] کا یہ ارشاد ہے کہ یہ واقعہ جناب فضہؑ کا نہیں، بلکہ ایک دوسری کنیزِ حبشیہ کا ہے اور چونکہ تنہا یہی

---

[1] جناب ناصر الملت اعلی اللہ مقامہ

کنیزِ جنابِ سیدہ تو مشہور تھیں اس لیے آپ ہی کو خیال کیا گیا اور اس طرح آپ کا اسمِ گرامی اس واقعہ میں آگیا۔

کتاب شیرازی میں مصنف تحریر فرماتے ہیں کہ جناب فضہؑ ہند کی رہنے والی تھیں۔ راجپوتانہ کے کسی معزز خاندان کی فرد تھیں شروع زمانۂ ہجرت میں کچھ مصری لوٹ مار کے سلسلہ میں ہند پہونچے اور جناب فضہؑ کے خاندان کو لوٹا اور ان کو گرفتار کر کے مصر لے آئے اور بادشاہِ مصر کو ہدیۃً دیا۔ یہ واقعہ محققین کے نزدیک صحیح تر ہے جبکہ سرکار ناصر الملت کا بھی ارشاد ہے۔

آپ کے نسب کے متعلق صحیح تفصیل حالات نہیں مل سکے تاریخ وسیر کے مطالعہ سے اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ آپ کا تعلق راجپوتانہ کے کسی معزز راجپوت گھرانے سے تھا۔ آپ کا نام قبلِ قبولِ اسلام نوبیہ تھا اور بعض نوبیۂ ہندیہ اور بعض نوبیۂ حبشیہ لکھتے ہیں۔ جب آپ کو خدمتِ جنابِ رسولِ مقبول میں پیش کیا گیا تو حضور سرورِ کائنات نے آپ کا اسمِ گرامی فِضّہؑ رکھا۔

آپ کا حلیۂ مبارک

مصنفِ تاریخ الخلفاء، امام سیوطی نے اپنی کتاب "سیرۃ الصحابیات" میں اور زہری نے اپنی تاریخ میں اور صاحبِ مناقب نے اپنی کتاب "مناقب" میں آپ کے حلیہ کی بابت تحریر کیا ہے کہ آپ بالا قد وقامت

---

[1] خصائص فاطمہؑ ص ۲۵

(دراز قد) رکھتی تھیں، رنگ دہکتا ہوا گندمی، بڑی بڑی آنکھیں، اور اعضائے جسم متناسب تھے۔

خدمتِ رسول اللہؐ میں آپکی حاضری

جناب علامہ مجلسیؒ نے "بحار الانوار" کی ساتویں جلد کے باب حالات جناب سیدہؑ میں اور حلیۃ الاولیاء میں زہری نے جناب عباسؓ بن عبد المطلب سے روایت کی ہے کہ ایک روز جناب امیر المومنین علیہ السلام نے جناب سیدہؑ سے ارشاد فرمایا کہ گھر کا کام کرنے اور چکی پیسنے سے تمہارے ہاتھ زخمی ہو گئے ہیں، کچھ اسیر لائے گئے ہیں، لہٰذا آپ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے لیے ایک کنیز کی خواستگاری کریں

چنانچہ جناب سیدہؑ جناب امیر المومنینؑ کے ہمراہ خدمت رسولؐ میں تشریف لے گئیں مگر کچھ کہنے سے حجاب مانع ہوا اور واپس تشریف لے آئیں۔ لیکن ضرورت نے مجبور کیا اس لیے دوسرے روز بھی آپ جناب امیر المومنینؑ کے ہمراہ تشریف لے گئیں اور اپنا مقصد بیان فرمایا۔

حضورِ اکرمؐ نے فرمایا، میں ان کی قیمت اہلِ صفّہ کو دینا چاہتا ہوں اور اس کے بدلے میں آپ کو تسبیح تعلیم فرمائی جو تسبیح فاطمہ زہراؑ کے نام سے آج تک پڑھی جاتی ہے لیکن کتابِ شیرازی میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ جس وقت جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے کنیز کی خواستگاری

فرمائی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چشمہائے مبارک میں آنسو بھر آئے اور آپؐ نے فرمایا:

"اے بیٹی! اُس ذاتِ برحق کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث برسالت فرمایا کہ اِس وقت مسجد میں چار سو افراد ایسے ہیں جن کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہیں ہے، اگر مجھ کو یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ اِس طرح تمھارے اجر میں کمی ہو جائے گی تو میں تم کو کنیز دیدیتا۔ تم کو اِس بات کا زیادہ خیال ہونا چاہیے کہ روزِ قیامت علیؑ ابن ابی طالبؑ بحیثیت شوہر ہونے کے تم سے اپنے کسی حق کا مطالبہ کریں۔"

اِس کے بعد آپؐ نے تسبیح تعلیم فرمائی۔ جب دونوں حضرات واپس آئے تو امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"مضیت تریدین من رسول اللہ الدنیا فاعطانا اللہ ثواب الآخرۃ"

(یعنی ہم دونوں رسول اللہؐ سے دنیا کی چیز طلب کرنے گئے تھے، لیکن اللہ نے ہمیں ثوابِ آخرت عطا فرمایا۔)

جناب عباس ابن عبد المطلبؓ بیان کرتے ہیں کہ جب علیؑ اور فاطمہؑ گھر واپس ہوئے ابھی راستہ ہی میں تھے کہ جبریلِ امین نازل ہوئے اور عرض کیا کہ پروردگارِ عالم بعد تحفۂ درود و سلام ارشاد فرماتا ہے کہ تم نے ثوابِ آخرت کو دنیا پر ترجیح دی اور "میری کنیزِ خاص" فاطمہؑ نے میری خوشنودی کے لیے اس کو قبول کیا اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ فاطمہؑ کا سوال

رد نہ کریں، اور یہ آیت نازل فرمائی ہے:۔

"وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُل لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا ۝"

(اے ہمارے رسول!) اگر تم اپنے پروردگار کی خوشنودی کے لیے کسی بات سے اعراض بھی کرو تو ان دونوں سے نرمی سے کلام کرو"

اس کے بعد مصر کے بادشاہ نے خدمت رسول میں ایک کنیز ہدیۃً بھیجی جس کو آنحضرتؐ نے قبول فرمالیا اور اُس کنیز کو جناب سیدہؑ کے پاس بھیج دیا۔ اس کنیز کا نام نوبیہ تھا۔ اور جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نام فضہؓ رکھا۔

△ خدمتِ جناب سیدہؑ میں آنے کے بعد کے حالات

جس وقت جناب فضہؓ خانۂ جناب معصومہ سلام اللہ علیھا میں آئیں تو اپنی مالک کے گھر کو بیت الشرف سمجھ کر خدمت میں مصروف ہوگئیں۔ جناب معصومہؑ نے بھی تقسیم کار اُسی عدل پر کیا جو اس گھر کا طرۂ امتیاز تھا کہ گھر کا تمام کام ایک روز بذاتِ خود انجام دیتی تھیں اور ایک روز آپ کی خادمہ جناب فضہؓ کیا کرتی تھیں۔

اس بیت الشرف میں آنے کے بعد جناب فضہؓ نے محسوس کیا کہ افرادِ خانہ جناب سیدہؑ اکثر و بیشتر فقر و فاقہ میں زندگی بسر کرتے ہیں جس سے

آپ کو بیحد تکلیف ہوئی۔ چونکہ انھیں ابھی معرفت اہلِ بیتؑ حاصل نہیں ہوئی تھی اِس لیے اہلِ بیتؑ کے فقر کو قلتِ آمدنی پر محمول کیا اور اِس فکر میں رہیں کہ اپنی مخدومہ کی یہ تکالیف دور کرنے کی تدبیر کریں۔

آپ علمِ کیمیا سے واقف تھیں بلکہ اس فن میں مہارت رکھتی تھیں۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ کسی ایسے خاندان کی فرد تھیں جہاں علوم و فنون کا چرچا تھا، ورنہ اُس زمانے میں کسی عورت کے کسی علم و فن میں ماہر ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

△ جنابِ فضہؑ کا بذریعۂ کیمیا لوہے کو سونا بنا کر خدمتِ جنابِ امیرالمومنینؑ میں پیش کرنا

ایک روز آپ نے بازار سے لوہے کا ایک ٹکڑا اور کچھ ادویہ خریدیں اور اُن دواؤں کے ذریعہ لوہے کو سونے میں تبدیل کیا اور خدمتِ جنابِ امیرالمومنین علیہ السلام میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے دواؤں کے ذریعہ سے یہ سونا بنایا ہے آپؑ اس کو بازار میں فروخت فرما کر بچوں کے لیے آزوقہ کا سامان فراہم فرمائیں۔

جنابِ امیرالمومنین علیہ السلام نے مُسکرا کر فرمایا، اچھا جاؤ اور ایک پتھر اُٹھا لاؤ۔

جب وہ پتھر لے کر آئیں تو جنابِ امیرالمومنین علیہ السلام نے پتھر کی طرف اشارہ فرمایا، وہ فوراً سونے میں تبدیل ہو گیا۔ اس کے بعد آپؑ نے فضہؑ کو

زمین کی طرف دیکھنے کو فرمایا اور زمین کی طرف معاً اشارہ بھی فرمایا، زمین میں شگاف پیدا ہو گیا۔ فضہؒ نے دیکھا کہ شگاف کے اندر سونے کا ذخیرہ موجود ہے۔

جناب فضہؒ یہ سب کچھ دیکھ کر حیران و متعجب تھیں اور دل میں سوچنے لگیں کہ یہ کیا ماجرا ہے۔

جناب امیر المومنین علیہ السلام نے جناب فضہؒ کی حیرانی کو دور کرنے اور کسی قدر اپنا تعارف کرانے کے لیے ارشاد فرمایا: اے فضہؒ! ہمارا فقر و فاقہ تو رضائے الٰہی کے لیے ہے نہ کہ کسی مجبوری کے سبب۔ ہمیں پروردگارِ عالم نے ہر چیز پر اختیار اور حقِ تصرّف عطا فرمایا ہے۔ ہم خود اس دنیا کی لذّات کو ترک کر کے صرف عقبٰی کی لذّات حاصل کرتے ہیں اور یہی ہم اہلِ بیتِ رسولؐ کا شیوہ ہے۔

اِس کے بعد آپؑ نے حکم دیا کہ وہ تختی سونے کی اور پتھر اسی سونے کے ذخیرے میں ڈال دیے جائیں، پھر آپؑ نے اشارہ فرمایا تو شگاف بند ہو گیا۔

یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد جناب فضہؒ کو محسوس ہوا کہ وہ جس گھر میں آئی ہیں اس گھر کے افراد کس مرتبہ پر فائز ہیں اور کس قدر بلند کردار کے حامل ہیں۔

△ جنابِ فضہ کا زہد و تقویٰ اور عبادتِ الٰہی

فطرتِ انسانی کا یہ ناقابلِ انکار مسئلہ ہے کہ انسان اپنی فطرت

صیحہ پر پیدا ہوتا ہے لیکن ماحول اُس کی فطرت پر غالب آکر اُس کو اپنے سانچے میں ڈھال لیتا ہے۔ اکثر و بیشتر ایسا ہوا ہے کہ انسان غلط ماحول میں رہ کر اپنا جوہر کھو دیتا ہے اور اگر پھر صحیح ماحول مل جائے تو بھٹکی ہوئی فطرت راہِ راست پر آجانے کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں۔

بعض ہستیاں ایسی بھی مشاہدے میں ہیں جن پر مادیت کے اثرات مرتب نہیں ہوتے کیونکہ اُن کی قوّتِ عاقلہ دیگر تمام قوتوں (قوّتِ شہویہ و غضبیہ وغیرہ) پر غالب رہتی ہے جو لبغیر غور و فکر اور خلافِ عقل کسی بات کو ماننے پر تیار نہیں ہوتی لیکن بقولِ شاعر ؎

این سعادت بزورِ بازو نیست ؎ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

چنانچہ جناب سلمان فارسیؓ کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے۔ ان کے والدین کافر تھے اور اُنھوں نے ان کو اپنے مذہب کی تعلیم بھی دی تھی، اور امکانی کوشش اس امر کی کرتے رہے کہ وہ اپنے آبائی مذہب کو نہ چھوڑیں لیکن یہ بچپن ہی سے اپنے آبائی مذہب سے بیزار و متنفر تھے اور حق کی جستجو میں سرگرداں رہے۔ والدین کی سختیاں برداشت کیں۔ گھر سے نکالے گئے مدّتوں اِس شعر کے مصداق رہے کہ ؎

اِک عمر پائے چنار رہے اِک عمر گلخن تابی کی
عرصہ گذرا گھر سے نکلے عشق نے خانہ خرابی کی

عشقِ خدا و رسولؐ میں کہاں کہاں پھرے مگر کفر اختیار نہیں کیا۔

جنابِ فضہؑ کے سابق مذہب کی بابت کچھ کہا نہیں جا سکتا

کیونکہ اُس وقت کی کوئی تفصیل کتبِ تواریخ میں نہیں ملتیں۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ اُس وقت ہندوستان میں بُت پرستی رائج تھی یا پھر بودھ مذہب تھا۔ اُس وقت تک وہاں کوئی دوسرا مذہب نہیں پہونچا تھا۔ ملکِ حبش میں عیسائی مذہب جاری تھا۔ یہ بھی معلوم نہیں ہو سکتا کہ جنابِ سلمانِ فارسی کی طرح یہ بھی اپنے آبائی مذہب سے متنفر تھیں یا نہیں۔ لیکن اِس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عقلِ سلیم اور فطرتِ صالحہ پوری طرح ان میں موجود تھیں اور قبولیتِ حق کا عنصر غالب تھا جس نے آپ کو اِس مرتبۂ جلیلہ پہ فائز کیا جہاں بڑے بڑے متقی نہ پہونچ سکے۔

اِس بیت الشرف میں آنے کے بعد انھوں نے دیکھا کہ گھر بھر اطاعتِ الٰہی، زہد و تقوٰے کی مجسم تصویر بنا ہوا ہے۔ چنانچہ طبعِ سلیم نے پورا کام کرنا شروع کیا۔

دوسری طرف معلمین کی فیض رسانی، قدرت کی طرف سے مدد اور خود میں خیر و خوبی قبول کرنے کی بھرپور صلاحیت۔ جب یہ سب باتیں جمع تھیں، تو نتیجہ روشن آفتاب کی طرح عیاں ہے۔ اپنی مالکہ کے نقشِ قدم پر چلنا شروع کیا، نفسِ مطمئنہ نے آگے بڑھ کر لبیک کہی اور منازلِ کمال طے ہونے لگیں، یہانتک کہ روحانیت اپنے اُس کمال پہ پہونچ گئی جہاں پہونچ کر انسان ملائکہ سے افضل ہو جاتا ہے اور قدرت کا منشائے تخلیق پورا ہو جاتا ہے۔ آپ روحانیت کے اس درجۂ کمال پہ فائز ہوئیں جس کا اندازہ لگانا ایک عام انسان کے بس کی بات نہیں۔

مختصر یہ ہے کہ قدرت اُن تمام نعمات سے سرفراز فرماتی رہی جو اہلِ بیتؑ کے لیے نازل ہوتی تھیں۔ یہ وہ حقیقت ہے جس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے، نیز اوراقِ تاریخ شاہد ہیں کہ جب نعماتِ جنت اہلِ بیتؑ اطہار کے لیے آئے تو یہ بھی اس میں شریک رہیں۔ علاوہ تاریخی شواہد کے یہ بات منطقی طور پر عدالتِ الٰہیہ کے خلاف ہے کہ جب اہلِ بیتؑ کے ساتھ وہ فقر و فاقہ میں برابر کی شریک تھیں اور اُس پر صبر و شکر بھی، تو عدلِ خداوندی کا مقتضٰی یہی تھا کہ وہ آپ کو بھی ان نعمات میں شریک رکھے اور خود جناب رسولِ مقبولؐ اور اہلِ بیتؑ اطہار کی ذاتِ مقدس سے بھی ممکن نہ تھا کہ وہ اُن کو شریک نہ فرماتے۔ یقیناً جب کبھی نعمات و طعامِ جنت آیا آپ کو اس میں شریک رکھا گیا، بلکہ خود آپ کی دعا سے طعامِ جنت آیا۔

چنانچہ ابوالقاسم شیرازی اور علامہ مجلسیؒ اور جناب شیخ صدوقؒ نے اپنی اپنی تصانیف میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ جناب سلمان فارسیؒ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام اور جناب سیدہ سلام اللہ علیہا اور جناب حسنین علیہما السلام نے جناب رسولِ مقبول صلوٰۃ اللہ علیہ کی باری باری دعوت کی۔ آخری روز جب آنحضرتؐ بعد تناولِ طعام واپس تشریف لے جانے لگے تو جناب فضہؒ قریب دروازہ آکر کھڑی ہو گئیں اور جب سرکارِ رسالت قریبِ دروازہ تشریف لائے تو جناب فضہؒ نے دست بستہ عرض کی کہ کل اس کنیز کی طرف سے دعوت قبول فرما کر سرفراز فرمائیں۔ رحمۃ للعالمین نے بہ طیبِ خاطر منظور فرما کر عزت بخشی۔

دوسرے روز جب کھانے کا وقت آیا تو آنحضرتؐ خانۂ جنابِ سیّدہؑ میں تشریف لائے۔ بیٹی اور داماد نے بڑھ کر استقبال کیا لیکن غیر متوقع طور پر حضورؐ کے تشریف لانے سے متعجب ہوئے اور عرض کی اس وقت تشریف آوری کا کیا سبب ہے؟

آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ آج میں فضّہؓ کا مہمان ہوں۔

یہ سن کر دونوں حضرات متعجب اور پریشان ہوئے کیونکہ جناب فضّہؓ نے کسی سے ذکر نہیں کیا تھا اور نہ کھانے کا کوئی انتظام کیا تھا۔ لہٰذا جنابِ معصومہؑ اس ارادہ سے فضّہؓ کے پاس تشریف لے گئیں کہ دریافت حال کریں کہ نہ تو انھوں نے دعوت کا کوئی ذکر کیا، نہ انتظام کیا لیکن جب آپؑ وہاں تشریف لے گئیں تو عجب منظر ملاحظہ فرمایا کہ فضّہ مصلّے پر سجدے میں ہیں اور اپنے خالق کی بارگاہ میں رو رو کر عرض کر رہی ہیں کہ میرے مالک! میں نے تیری رحمت کے بھروسے پر تیرے حبیبؐ کی دعوت کی ہے۔ اس کنیز کی عزّت تیرے ہاتھ ہے (میں تجھے واسطہ دیتی ہوں اپنی مخدومہؑ اور ان کے پدرِ گرامی تیرے حبیبؐ کا میری عزت رکھ لے)

ابھی یہ دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ طعام جنّت کی خوشبو مشام جناب فضّہؓ میں پہونچی۔ سجدہ سے سر اٹھا کر دیکھا تو طبق ہائے جنّت رکھے ہوئے دیکھے۔ فوراً سجدۂ شکر ادا کیا۔ اور طبق ہائے طعام اٹھا کر خدمتِ رسولؐ میں حاضر ہوئیں۔ جیسے ہی یہ طبق خدمتِ گرامی میں پیش ہوئے ویسے ہی حضرت جبرئیلؑ امینِ وحیٔ الٰہی سدرہ چھوڑ کر خدمتِ رسولؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ

پروردگارِ عالم بعد تحفۂ دُرود و سلام ارشاد فرماتا ہے کہ اے ہمارے حبیبؐ! آج آپؐ کو ہماری کنیز نے مدعو کیا تھا، ہم نے نہیں چاہا کہ اُس کو شرمندگی ہو، لہٰذا یہ طعام اُس کی طرف سے ہم نے بھیجا ہے۔

یہ تھی جنابِ فضہؓ کے کردار و تقدس کی منزلت کہ اللہ نے اس کو پسند نہیں کیا کہ آپکی ذرا بھی خاطر شکنی ہو۔ اب اِس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے کہ اللہ کو آپ کی ایسی دلجوئی منظور ہو کہ آپ کی دعا پر جنت سے طعام بھیج کر آپ کو خدمتِ رسولؐ میں شرمندگی سے محفوظ رکھے اور دل شکنی نہ ہونے دے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے مدح و ثنائے اہلِ بیتؑ میں آپ کو بھی شریک کر لیا۔ سورۂ ھل اتیٰ اس کی شاہد ہے۔ یہ امر متفق علیہ ہے کہ یہ سورہ مدحِ اہلِ بیت میں نازل ہوا، جب کہ جنابِ امام حسنؑ اور امام حسینؑ بیمار ہوئے، آپ کی صحت کے لیے روزوں کی نذر مانی گئی اور صحت پانے بعد تمام اہلِ خانہ نے تین روزے رکھے اور ہر ایک نے بوقتِ افطار سائل کے سوال پر اپنے اپنے افطارِ صوم کا کھانا اُٹھا کر سائل کو دے دیا۔ ان کھانا دینے والوں میں پنجتنِ پاک کے علاوہ جناب فضہؓ بھی شریک تھیں۔

رحمتِ الٰہی جوش میں آئی اور یہ سورہ سب حضرات کی مدح کرتا ہوا نازل ہوا اور کیونکہ جنابِ فضہؓ بھی اس میں برابر کی شریک تھیں اس لیے اس سورہ نے جن کی مدح کی اُن میں جناب فضہؓ بھی شامل تھیں (روزے رکھنے

میں جنابِ رسولِ مقبولؐ شامل نہ تھے۔) اگر جنابِ فضہؑ کو شریکِ مدح نہ کیا جاتا تو یہ عدلِ الٰہی کے خلاف ہوتا۔

چنانچہ مفسّرین نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ سورۂ ھل اتٰی میں جنابِ فضہؑ بھی شریک ہیں بلکہ بعض مفسّرین نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ سورۂ مذکورہ میں تین مقامات پر لفظِ فضّہ جو آیا ہے اس سے جنابِ فضّہؑ کی عزّت افزائی اور منزلت مقصود ہے۔ (اگر مفسّرین کی اس تفسیر کو تفسیر بالرّائے پر محمول کیا جائے، جو ہمارے علمائے کرام کے نزدیک اور معصومینؑ کے نزدیک حرام ہے) تب بھی یہ امر تو یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن حضرات کا خود شکریہ ادا کیا ہے جو اس واقعہ میں برابر کے شریک تھے۔ چنانچہ ان الفاظ میں شکریہ ادا کیا گیا

"اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۝

ترجمہ: (بیشک یہ ہے تمہاری جزا اور تمہاری سعی کے ہم شکر گزار ہیں۔) ہم تمہارے ایثار کی یہ جزا دیتے ہیں اور ان روزوں میں ہماری خوشنودی کے پیشِ نظر جو مصائب تم نے برداشت کیے اُن کا ہم شکریہ بھی ادا کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جنابِ فضہؑ بھی اس سعی میں شریک تھیں اس لیے وہ بھی مستحقِ شکریہ تھیں۔ اس سے زیادہ کیا فضیلت ہو سکتی ہے کہ صاحبانِ عصمت کے ساتھ ان کا بھی شکریہ قدرت ادا فرمائے۔ اس سلسلہ میں ایک اور واقعہ تحریر کیا جاتا ہے جس سے آپ کی قدر و منزلت نگاہِ قدرت میں ظاہر ہوتی ہے

۵ نگاہِ قدرت میں جنابِ فضہؑ کی منزلت کا ایک عجیب واقعہ

جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب حدائق الرّیاض میں اس واقعہ کو جناب جابرؓ بن عبداللہ انصاری کی زبانی بسلسلۂ معتبر بیان فرمایا ہے کہ ایک روز جناب امیرالمومنین علیہ السلام خانۂ جناب عائشہؓ میں کسی ضرورت سے تشریف فرما تھے کہ نماز کا وقت آگیا؛ آپؑ نے جناب فضہؑ کو آواز دی کہ وضو کے لیے پانی لے کر آئیں۔ دو تین مرتبہ حضرت نے آواز دی، لیکن جناب فضہؑ نے جواب نہیں دیا۔ آپؑ نے خیال فرمایا کہ شاید اُنھوں نے سُنا نہ ہو۔

چنانچہ آپؑ صحنِ خانہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ ایک آفتابہ پانی سے بھرا ہوا رکھا ہے؛ آپؑ قدرے متعجب ہوئے اور وضو فرما کر مسجد میں تشریف لے گئے۔ بعد ختمِ نماز جب جناب سرورِ کائناتؐ نے دریافت فرمایا' اے علیؑ! تم نے وضو کے لیے پانی کہاں پایا؟

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں نے فضہؑ کو پانی لانے کے لیے آواز دی مگر وہ نہ آئیں، میں نے قدرے انتظار کیا جب پانی لیکر فضہؑ نہ آئی تو میں صحنِ خانہ میں پہونچا اور دیکھا کہ ایک آفتابے میں پانی بھرا ہوا ہے میں نے وضو کیا اور مسجد میں جاکر نماز ادا کی۔

آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ ابھی ابھی جبرئیلؑ آئے تھے اُنھوں نے

مجھے اطلاع دی ہے کہ تم نے فضہؒ سے وضو کے لیے پانی طلب کیا تھا مگر فضہؒ چونکہ اپنی حالتِ عادیہ میں تھیں لہٰذا انھوں نے گوارا نہیں کیا کہ تمھارے لیے اس حالت میں وضو کے لیے پانی دیں، اور بوجہ نسوانی حیا کے خاموشی اختیار کی اللہ نے اُن کی شرم برقرار رکھنے کے لیے رضوانِ جنّت کو حکم دیا کہ آبِ کوثر تمھارے وضو کے لیے لاکر رکھ دیں۔

یہ تھی نگاہِ خداوندی میں جنابِ فضہؒ کی قدر و منزلت، کہ اللہ نے پسند نہ فرمایا کہ اُن کو پانی نہ لانے کی مجبوری کی وجہ بیان کرنی پڑے اور شرمندگی اٹھانی پڑے۔ دوسری طرف یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ خود جنابِ فضہؒ کی نگاہ میں عصمتِ امامت کی اتنی عظمت تھی کہ باوجود ممانعتِ شرعی نہ ہونے کے وہ اس حالت میں جنابِ امیرالمومنین علیہ السلام کو وضو کے لیے پانی دینا اُن کی عظمت و جلالت کے منافی جانا اور اللہ نے اُن کے اس فعل کو سراہا اور رضوانِ جنّت کو پانی حاضر کرنا پڑا۔

حقیقتِ امر یہ ہے کہ جب اس طرح منزلِ امامت کو سمجھا جائے تب معرفتِ امام کے صحیح مقام پر پہونچا جاسکتا ہے۔ دنیا دیکھے اور غور کرے کہ آلِ محمدؐ کے در کی ناصیہ سائی انسان کو کس منزلِ کمال پر پہونچا دیتی ہے۔ اس میں شک نہیں اور تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ جو اس در کا ہوگیا وہ معراجِ انسانیت پر جا پہونچا اس بات کی قید نہیں کہ وہ قنبرؒ ہوں، میثمؒ و کمیلؒ ہوں یا فضہؒ جس نے بھی اس چوکھٹ پر سر جھکا یا وہ دنیا و آخرت میں سربلند ہوکر رہا۔ وہ افراد جو غلامی و کنیزیٔ آلِ محمدؐ کا دم بھرتے ہیں دیکھیں اور غور کریں کہ اس در کے غلام اور کنیز جب اپنے

بلندیٔ کردار سے غلامی کا دم بھرتے ہیں تو دنیا کی ہر شے اُن کی نظر میں پست ترین ہو جاتی ہے پھر لقائے پروردگار کی وجہ سے نہ اُن کو موت سے خوف ہوتا ہے اور نہ حوادث کی فکر۔ رحمت و عنایاتِ الٰہیہ ان کو سرفراز کرتی رہتی ہیں اور اُن کا نفس پاک ہو کر قابلِ شرف و فضیلت ہو جاتا ہے یہ مرتبہ ہر کسی کو نہیں ملتا ان کی ذات سے وہ کمالات و کرامات ظاہر ہوتی ہیں جن کو دیکھ کر عام انسان حیرت و استعجاب کے سمندر میں ڈوب جاتا ہے۔ چونکہ آگے چلکر خبابِ فضہ رح کی کرامات کا ذکر آئے گا لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حقیقتِ کرامت پر مجملاً روشنی ڈالی جائے۔ کیونکہ آجکل کا نوجوان طبقہ خواہ وہ لڑکیاں ہوں یا لڑکے، ان باتوں کو محض حکایات و قصص پر مبنی کر کے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ دلائل سے اُن کے ذہن نشین کرا دیا جائے کہ وہ اپنے حسنِ عمل اور یقین محکم سے بلندیٔ مرتبہ پر فائز ہو کر خرقِ عادات امور کو ظہور میں لا سکتا ہے۔

فلاسفہ نے متفق ہو کر یہ تسلیم کیا ہے کہ انسان کو اللہ نے اشرف المخلوقات پیدا کیا ہے اور اس کو دیگر تمام مخلوقات پر حقِ تصرّف عطا فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ خالق ہے " اے میرے بندے میں نے تمام عالم کو تیرے لیے خلق کیا ہے اور تجھ کو اپنے لیے۔ تو میرا ہو جا، تمام مخلوق تیری فرمانبرداری کریں گے۔" یعنی اگر انسان خدا کی اطاعت کرے گا تو ساری مخلوق انسان کی فرمانبردار ہو جائے گی اور اگر انسان اپنے خالق سے سرکشی کریگا تو دوسری مخلوقات انسان کی سرکشی کرنے لگیں گی اور اُس کی فرمانبرداری سے انکار کر دیں گی۔ اس کی مثال ظاہری یہ ہے کہ اگر کوئی ماتحت اپنے افسرِ اعلیٰ کے حکم کی تعمیل نہ کرے اور اس سے سرکشی کرے تو خود اُس کے ماتحت

اُس کا حکم نہ مانیں گے اور اس سے سرکشی کریں گے ۔ یہ ایک کھُلی ہوئی حقیقت ہے جو روزانہ مشاہدہ میں آتی رہتی ہے اور ایک فطری امر بھی ہے ۔ دوسری واضح و روشن مثال یہ ہے کہ ایک شخص اگر اپنے باپ کا مطیع نہ ہو تو اس کے دیگر بھائی اُس سے سرکشی کریں گے کیونکہ اس نے ایسی ہستی سے سرکشی کی ہے جس کی اطاعت اُس پر واجب تھی اور مرتبہ میں اس کی حیثیت سب کے لیے مساوی تھی ۔

خالقِ عالم نے انسان کو چند قوّتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے جو یہ ہیں :
نفسِ مطمئنہ یا نفسِ مَلکی ، نفسِ لوّامہ اور نفسِ امّارہ یا نفسِ حیوانی ۔ ان قوتوں کو دیکھ عقل کو رہبر قرار دیا تاکہ اس کی مدد سے اُس نفس کی پیروی کرے جو اس کو اپنے خالق تک پہونچانے میں معاون ہو اور اس قوتِ نفسی کو زیر کرے جو خدا سے دور کرتی اور شیطان کا مطیع بناتی ہے ۔ تینوں قوّتوں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے ۔

نفسِ مطمئنہ یا نفسِ مَلکی : یہ نفس اپنی چند قوّتوں کے ساتھ کام کرتا ہے جن کا ذکر طوالت کا سبب ہوگا ۔ بہرحال ، یہ نفس روح کو تمام برائیوں سے پاک کرکے انسان کو اپنے معبودِ حقیقی سے ملا دیتا ہے اور انسان ان تمام صفات کا حامل ہو جاتا ہے جو اس کو اپنی حقیقی منزل پر پہونچا دیتی ہے ، صبر ، شجاعت ، حکمت اور عفّت ، اس کے خاص جوہر ہیں ۔

نفسِ لوّامہ : اس کا کام یہ ہے کہ جب نفسِ حیوانی انسان کو کسی برُائی کی طرف رغبت دلاتا ہے اور انسان اس فعل کے ارتکاب پر آمادہ ہوتا ہے تو اس موقع پر یہی نفسِ لوّامہ اُس کو روکتا ہے ۔ اگر انسان اس کام سے باز رہتا ہے تو وہ نفسِ مطمئنہ کی طرف راغب کر دیتا ہے اور اگر نفسِ امّارہ غالب آجاتا ہے

اور انسان اس کی پیروی کر کے افعالِ قبیحہ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو یہ رفتہ رفتہ انسان کو برائیوں کا پیکر بنا کر حیوان سے بدتر بنا دیتا ہے۔

نفسِ امّارہ یا نفسِ حیوانی: یہ نفس قوّتِ غضبیہ اور قوّت شہویہ کے ساتھ کام کرتا ہے۔ اگر انسان نے اس کو قابو میں رکھ کر اعتدال سے کام لیا تو مدافعتِ دشمن اور حفاظتِ جسم از بلیات کرتا ہے اور اپنی نسل کو آگے بڑھاتا ہے لیکن اگر انسان اس سے مغلوب ہو گیا تو پھر تمام حرکاتِ حیوانی اس سے سرزد ہونے لگتے ہیں اور وہ بدترین مخلوق بن کر انسانیت کے لیے ناسور بن جاتا ہے۔

روح ایک جوہر لطیف ہے جو جسم میں آنے کے بعد اس پر حکمراں ہوتی ہے۔ جب انسان نفسِ امّارہ کا مطیع ہو کر افعالِ قبیحہ کا عادی ہو جاتا ہے تو روح میں لطافت باقی نہیں رہتی لیکن اگر انسان نفسِ مطمئنہ کی طرف راغب ہوتا ہے تو اس کی لطافت بڑھ جاتی ہے اور اللہ کی طرف سے اس پر رحمتوں کی بارش ہوتی رہتی ہے اور اس میں اتنی قوّت آجاتی ہے کہ وہ دیگر مخلوق پر تصرّف کرنے لگتی ہے اور یہی وہ تصرّف ہے جو خرقِ عادت ہوتا ہے کیونکہ ہر انسان ان پر عادتاً متصرف نہیں ہوتا۔ لہٰذا اُس کی نگاہ میں وہ عجیب او رنا قابلِ عمل معلوم ہوتی ہیں اور اسی کو کرامات کہتے ہیں۔ انسان جتنا نفسِ مطمئنہ پر کاربند ہوتا ہے اسی لحاظ سے قوّتِ روحانی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے تا آنکہ انبیاءؑ و ائمہ معصومینؑ جو نفسِ مطمئنہ کے علاوہ نفسِ کُلّیہ الٰہیہ کے مالک ہوتے ہیں۔ تمام کائنات پر حکومت کرتے ہیں اور جس وقت جس مخلوق پر چاہیں تصرّف کر سکتے ہیں اور وہ سب ان کی مطیع ہوتی ہیں اور اسی کو معجزہ کہتے ہیں۔

جنابِ فضہؑ نے اپنی عبادت و ریاضت سے وہ مقام حاصل کرلیا تھا کہ آپ کی دعا، بارگاہِ الٰہی میں مستجاب ہوتی تھی اور مشکل امور حل ہوجاتے تھے۔ چنانچہ حسبِ ذیل واقعہ آپ کی کرامت کے سلسلے میں نقل کیا جاتا ہے۔

△ جنابِ فضہؑ کی استجابتِ دُعا اور کرامت

جناب شیخِ مفیدؒ تحریر فرماتے ہیں کہ جناب ابوذر غفاریؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز جنابِ فضہؑ لکڑیاں لینے کے لیے تشریف لے گئیں۔ آپ نے لکڑیاں جمع کیں اور ان کو باندھا مگر لکڑیوں کا گٹھا اتنا وزنی تھا کہ آپ اُسے اُٹھا نہ سکیں تو آپ نے وہ دعا، جو جناب رسولِ اکرمؐ نے تعلیم فرمائی تھی پڑھی اور اس کے پڑھتے ہی آپ کی دعا قبول ہوئی۔ آپ نے دیکھا کہ ایک عرب، قبیلۂ آزاد کا سامنے آیا اور بغیر آپ کے کچھ کہے ہوئے لکڑیوں کا گٹھا اُٹھا کر دربیت الشرف جناب سیدہؑ پر رکھ کر چلا گیا۔ اس کے علاوہ بھی آپ سے اکثر اس طرح کی کرامات ظاہر ہوتی رہتی تھیں جن کا ذکر نہیں کیا گیا صرف اسی واقعہ پر اکتفا کی گئی ہے۔ اپنے مقام پر وہ واقعات تحریر کیے جائیں گے۔

△ بعدِ رحلتِ جنابِ سیّدہؑ جنابِ فضہؑ کے حالات اور خدمات

بعد رحلت جناب رسول مقبولؐ اہل بیتِ اطہارؑ کو جن شدائد و مصائب و

ظالم کا سامنا کرنا پڑا وہ تاریخِ اسلام کا المیۂ عظیم ہے۔ یہ مصائب اتنے شدید تھے کہ جنابِ رسولِ مقبولؐ کی پارۂ جگر زیادہ عرصہ تک برداشت نہ کر سکیں اور صرف پچھتر دن کی یا نوّے دن کی قلیل مدّت میں داعیٔ اجل کو لبیک کہہ کر اپنے پدرِ عالیقدر کی خدمت میں پہونچ گئیں۔ بعدِ وفاتِ خاتونِ جنّت، جنابِ فضّہؑ کی ذمّہ داریوں میں اضافہ ہو جانا یقینی اور لازمی تھا۔ سب بچّے کم سن تھے جن پر غم والم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے ابھی شفیق نانا کا سایہ اُٹھا ہی تھا کہ شفقتِ آغوشِ مادری سے بھی محروم ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ ان کی خدمت کرنا اور دلجوئی اب جنابِ فضّہؑ ہی کے ذمّے تھی۔ اسی کے ساتھ اُمورِ خانہ کی جملہ ذمّہ داریاں تنہا اُن ہی پر آپڑی تھیں۔ کسی تاریخ سے پتہ نہیں چلتا کہ کسی اور نے اس عرصہ میں جنابِ فضّہؑ کی مدد کی ہو۔ جنابِ اسماء بنتِ عمیس سے عقدِ جنابِ امیرالمومنینؑ بعدِ وفاتِ حضرتِ ابوبکر ہوا۔ اس کے بعد بھی خانہ داری کی ذمّہ داریاں کسی نے برداشت نہیں کیں۔

اس میں شک نہیں کہ جنابِ فضّہؑ کے حالات، واقعاتِ کربلا سے قبل تاریخ میں مفصّل نہیں ملتے لیکن قرائن اور حالات سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان کے ذمّہ تمام اُمورِ خانہ باقی رہے ہوں گے کیونکہ دونوں صاحبزادیاں جنابِ زینبؑ و جناب اُمّ کلثومؑ کمسن تھیں۔

▵ جنابِ فضّہؑ کا عقد اور آپکی اولاد

جنابِ فضّہؑ کا عقد بعدِ وفاتِ جنابِ معصومہ سلام اللہ علیہا ۱۲ سنہ ھ میں جنابِ امیرالمومنین علیہ السّلام نے ایک عربیّ النّسل غلام ثعلبہ سے فرمادیا۔ اُس سے

ایک لڑکا تولد ہوا، لیکن ڈیڑھ سال بعد ثعلبہ کا انتقال ہوگیا اور اس کے انتقال کے بعد لڑکے کا بھی انتقال ہوگیا۔ ابن حجر عسقلانی نے یہ واقعہ زمانۂ خلافتِ ثانیہ کا لکھا ہے۔ کتاب الانساب میں تحریر ہے کہ بعدِ وفاتِ ثعلبہ چند ہی دنوں کے بعد سُلیکہ نامی اعرابی نے جنابِ فضہؑ سے عقد کی خواستگاری کی جس کو آپ نے قبول نہ کیا۔ سُلیکہ نے مایوس ہو کر خلیفۂ وقت سے شکایت کی۔ خلیفۂ وقت نے اُن کو طلب کر کے وجہ انکار دریافت کی۔

جناب فضہؑ نے جواب دیا کہ چونکہ ان کا زمانۂ عدت پورا نہیں ہوا، اگر عقد کر لیا جائے تو خلافِ شرع ہو جائے گا، نیز یہ کہ اگر پہلے شوہر سے حمل ہوتا تو یہ پتہ نہ چلتا کہ حمل پہلے شوہر کا ہے یا موجودہ شوہر کا۔ اگر وہ اولاد ثعلبہ کی ہوتی اور غلط طور پر سُلیکہ کے ترکہ کی وارث قرار پاتی، تو وہ اس کے ترکہ کی حقدار نہ ہوتی، اس طرح غلط وراثت سے سُلیکہ کی بعد کی جائز اولاد کی حق تلفی ہوتی۔

یہ جواب سن کر خلیفۂ وقت نے کہا کہ "ابوطالبؑ کے گھر کی جاریہ بھی بنی عدی سے زیادہ فقہ کی عالمہ ہے۔" بہرحال: سُلیکہ سے آپ کا عقد ہوا جس سے چار فرزند اور ایک دختر پیدا ہوئے۔ لڑکوں کے نام داؤد، محمد، یحییٰ اور موسیٰ تھے اور لڑکی کا نام مسکہ تھا ان کی لڑکی شبکیہ تھیں جو بہت بڑی زاہدہ و متقیہ تھیں۔ ان کا ایک عجیب و غریب واقعہ کتبِ تاریخ میں درج ہے جو اپنی جگہ پر تحریر کیا جائے گا۔

عقد کے بعد جناب فضہؑ نے اپنے فرائض میں کوئی کمی نہیں کی اور اہلِ بیتِ اطہار کی خدمت میں اسی طرح مصروف رہیں۔ تاریخ میں کوئی واقعہ ایسا نہیں ملتا جس سے اہلبیتؑ کی خدمت اور اپنے فرائض کی انجام دہی میں کسی قسم کی معمولی سی بھی کوتاہی نظر آئے۔

واقعۂ کربلا میں جنابِ فضہؑ کی خدمات

کون تصوّر کرسکتا ہے کہ وہ ہستی جس نے بیت الشرف میں آنے کے بعد تقریباً اٹھاون ۵۸ سال خدمتِ اہلِ بیتؑ میں اپنی عمر بسر کردی وہ اس عظیم واقعہ میں اپنی مخدومہ کے بچّوں کے ساتھ مصائب میں شریک نہ رہی ہو۔ جس طرح حیاتِ مخدومہ میں اہلِ بیتؑ کے ہر کام میں شریک رہیں اور جو نعمتیں اہلِ بیتِ اطہار پر نازل ہوتی رہیں ان میں شریک رہیں، اسی طرح مصائب کے وقت بھی ان کے دوش بدوش رہ کر آلام برداشت کرتی رہیں اور کبھی حرفِ شکوہ زبان پر نہ لائیں۔ یہ اُن کی زندگی کا وہ زرّیں باب ہے جو تا قیامت تاریخ و سیر کی زینت بنا رہے گا اور اہلِ بیتؑ اطہار کے ذکر کے ساتھ دنیا اُن کا ذکرِ خیر بھی دُہراتی رہے گی۔

مناقب ابنِ شہر آشوب اور مقاتل میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں وہ جلی حروف میں قلمبند ہیں۔ چنانچہ ابو مخنف نے مقتل میں لکھا ہے کہ جس وقت جنابِ سیّد الشہداءؑ نے مدینہ سے رُختِ سفر باندھا تو دیگر افرادِ خانہ کے ہمراہ آپ بھی روانہ ہوئیں اور کربلا، کوفہ اور شام سے واپسی تک اہلِ بیتؑ کے ہمراہ ہر مصیبت والم میں شریک رہیں۔ یعنی واردِ کربلا ہونے کے بعد سے شبِ عاشور تک جیسے جیسے مصائب میں اضافہ ہوتا رہا، ویسے ہی ویسے آپ کے فرائض کی ادائیگی اور ہمت و جراُت میں استقلال و اضافہ ہوتا رہا۔ وہ ہنگامہ خیز شب جو شبِ عاشورہ کے نام سے مشہور ہے شروع ہوئی۔ جناب امام حسینؑ مظلوم کو ایک شب کی مہلت ملی ساری رات عبادتِ الٰہی میں بسر ہوئی، فضہؑ بھی اپنے فرائض کی انجام دہی میں مشغول ہوئیں

کبھی بچوں کی دیکھ بھال کرنا، کبھی عترتِ رسولؐ کی خدمت میں مشغول رہنا۔ اور جب عاشور کی قیامت خیز صبح نمودار ہوئی، تیروں کی بارش شروع ہوئی، جنابِ فضہؒ نے بھی کمرِ ہمت باندھی اور حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوگئیں، صبح سے وقتِ شہادت تک حالات پر نظر رکھنا اور جناب زینبؑ کو حالات سے آگاہ کرتے رہنا کبھی خیمے کے اندر تیروں سے نقصان پہونچنے کی اطلاع جناب سید الشہداءؑ کو دینا، کبھی جناب حبیب ابنِ مظاہرؒ کی آمد کی اطلاع جناب زینبؑ کو دینا اور کہنا کہ بی بی گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے آقا و مولا حسینؑ کے بچپن کے ساتھی جناب حبیبؒ آگئے ہیں، پھر خود جناب حبیبؒ کو جناب زینبؑ کا سلام پہونچانا، کبھی جناب حُرؒ کے آنے کی خبر پہونچانا کہ شہزادی! امام حسینؑ مظلوم کے مددگاروں میں ایک کا اضافہ اور بھی ہوا ہے مقتل میں تحریر ہے کہ صبح سے عصر کے وقت تک فضہؒ کبھی درِ خیمہ پر آتیں کبھی خیمہ کے اندر جاتیں۔ جب کوئی جاں باز رخصت لے کر جنگ کے لیے میدانِ کربلا میں جاتا، آپ ہی اطلاع دیتیں کہ اب مولا کا فلاں جاں نثار مولا سے جُدا ہو رہا ہے۔ جب اُس کی لاش آتی تو فوراً شہزادی کو خبر دیتیں کہ فلاں جاں نثار نے جامِ شہادت نوش کیا۔ جب کوئی عزیز رزمگاہ کی طرف جاتا، آپ اطلاع دیتیں، کبھی بچوں کی شجاعت و وفا کا ذکر کرتیں۔ جب کوئی لاش خیمے میں آتی تو آپ اپنا فرض ادا کرتیں، کبھی جناب قاسمؑ کی وغا کا حال سُناتیں، کبھی جناب عونؑ و محمدؑ کی جنگ کی کیفیت بیان کرتیں۔

اگر یہ واقعہ صحیح ہے کہ بعدِ شہادتِ جناب علی اکبرؑ، جنابِ زینبِ کبریٰؑ نعشِ مبارک پر تشریف لے گئیں تو مجھے یقینِ کامل ہے کہ یہ بھی ہمراہ میدان میں ضرور گئی ہوں گی، یہ بات ممکن نہ تھی کہ جنابِ زینبؑ تنہا تشریف لے گئی ہوں اور آپ خیمہ میں

مٹھی رہی ہوں تاریخ اس معاملہ میں خاموش ہے، صرف ایک جگہ یہ جملہ میری نظر سے گذرا ہے کہ: "راوی کا بیان ہے کہ" جس وقت شاہزادۂ علی اکبرؑ گھوڑے سے گرے اور سید الشہداءؑ میدانِ کارزار میں بے تابانہ پہونچے تو راوی نے دیکھا کہ ناگاہ خیمہ کا پردہ اُٹھا اور ایک زنِ دراز قد سر سے پاؤں تک چادر میں لپٹی ہوئی باہر نکلیں اور ان کے ہمراہ ایک ضعیفہ گوشۂ چادر پکڑے ہوئے تھی۔ اگر جنابِ زینبؑ کا میدان میں جانا صحیح ہے تو یہ روایت بھی صحیح ہے اور وہ ضعیفہ جو گوشۂ چادر پکڑے ہوئے ساتھ تھی، وہ جنابِ فضہؑ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھی، وہی ساتھ گئی ہوں گی اور لاش اُٹھانے میں مدد دی ہوگی۔

دوپہر ڈھلی، آفتاب نے مغرب کا رُخ کیا، انصار شہید ہو چکے، اعزا کی لاشیں خیمے سے واپس قتل گاہ پہونچ چکیں، جنابِ عباسؑ شانے کٹوا چکے، برابر کا فرزند سینہ پر برچھی کا پھل کھا کر میدان میں سو چکا، علی اصغرؑ کی پیاس تیرِ سہ شعبہ سے بجھ چکی اور جامِ شہادت پی کر سپردِ لحد ہو چکے۔ اب جنابِ امام حسینِ مظلومؑ یکہ و تنہا تھے فوجِ اشقیاء سے مبارز طلبی ہوئی اور جنابِ سیدہؑ کا لال آخری رخصت کے لیے میدانِ کارزار سے خیمے میں آیا اور آواز دی "یَا زَیْنَبُ وَیَا اُمِّ کُلْثُوْم وَیَا رُقَیَّۃُ وَیَا سُکَیْنَۃُ وَیَا رَبَابُ عَلَیْکُنَّ مِنِّی السَّلَامُ"

یہ فرما کر سب اہلِ حرم سے رخصت ہوئے۔ درِ خیمہ پر پہونچے، دیکھا کہ بچپن کی خدمت کرنے والی، ماں کی بوڑھی کنیز سفید بال کھولے، درِ خیمہ کا پردہ پکڑے سر جھکائے کھڑی ہے۔ یہ دیکھ کر آپ کی زبانِ مبارک پر یہ الفاظ جاری ہوئے یَا فِضَّۃُ عَلَیْکِ مِنِّی السَّلَامُ اے میری ماں کی کنیز! فضہؑ تم پر بھی میرا آخری سلام ہو۔

کس کے قلم میں طاقت ہے اور کس کی زبان میں قدرت ہے کہ ان کے مراتب کی بلندی کا احصاء کر سکے جن کو سبطِ رسولؐ الثقلین، جگر گوشۂ سیدۃ نساء العالمین سلام کریں، قلم و زبان کیا چیز ہیں تخیلِ دماغی کی پرواز بھی اس مرتبہ کا احصاء نہیں کر سکتی۔ سلام ہو ہم غلامان و کنیزانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کا اس ذاتِ اقدس پر جس پر حسینِ مظلوم سلام کریں۔

امامِ مظلوم اہلِ حرم سے رخصت ہو کر میدانِ کارزار کی طرف چلے اور علیؑ کی شجاع بیٹی نے بارِ امانت اپنے دوشِ مبارک پر اٹھایا، بقول سید آلِ رضا صاحب: ؎

بچوں کو رو کے، بھائی کو رخصت کیے ہوئے
زینبؑ کھڑی ہیں بارِ امانت لیے ہوئے

اب وہ وقت تھا کہ اہلِ بیتؑ کی نظر میں دنیا تاریک تھی اب اس بوڑھی خادمہ نے محسوس کیا کہ اس وقت اپنے فرائض کو انتہائی استقلال سے ادا کرنا ہے لہٰذا جناب فضہؑ درِ خیمہ پر آ کر کھڑی ہو گئیں اور اپنے گود کے کھلائے ہوئے چھوٹے شاہزادے کی جنگ دیکھنے لگیں اور جنابِ زینبؑ کو بتاتی جاتی تھیں۔ اتنے میں عصر کا ہنگام آیا آفتاب نے اپنی منزلیں طے کر کے مغرب کی جانب کا رُخ کیا، ادھر آفتابِ رسالت نے آفتابِ فلک پر نظر کی اور عبادتِ الٰہی کے لیے تیار ہوئے، ذوالفقار نیام میں رکھی، اعداء نے یہ دیکھا تو چاروں طرف سے تیروں، تلواروں اور نیزوں کے وار شروع کر دیے، حسینؑ فرس سے زمین پر تشریف لائے۔ فضہؑ نے مضطربانہ بڑھ کر آواز دی "شہزادی! میری مالکہ کا لاڈلا شہزادہ اب زینِ فرس پر نظر نہیں آتا۔" بشیر راوی بیان کرتا ہے میں نے دیکھا کہ اس وقت ایک زن دراز قد سر سے پاؤں تک چادر میں لپٹی ہوئی بیتابانہ خیمے سے

لوگوں نے خوفزدہ ہو کر بھاگنا شروع کر دیا، لیکن حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے اس کو میرے پاس آنے کا راستہ دیدو۔ راستہ ملنے پر شیر سیدھا منبر کے قریب جا پہونچا، زمینِ ادب کو بوسہ دیا اور دونوں پیر منبر پر رکھ کر آپ کی طرف بڑھا، آپ نے گوشِ اقدس اُس کے منھ کے قریب کر دیا تو اُس نے اپنی زبان میں کچھ عرض کرنا شروع کیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے اُسی کی زبان میں جواب دیا۔ جب گفتگو ختم ہوئی تو پھر شیر نے زمینِ ادب کو بوسہ دیا اور واپس چلا گیا۔

شیر کے چلے جانے پر لوگوں کے حواس درست ہوئے تو جناب امیرالمومنینؑ سے دریافتِ واقعہ اور صورت حال اُس شیر کے بارے میں کیا۔

حضرت علی امیرالمومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اس شیر نے بیان کیا کہ اُس کی مادہ مرگئی ہے اور اس نے ایک شیر خوار بچّے کو چھوڑا ہے جس کی پرورش اُس کے امکان سے باہر ہے۔ چنانچہ شیر اپنی پریشانی مجھ سے بیان کرنے آیا تھا تاکہ اُس کے بچّے کی پرورش کا کوئی انتظام ہو سکے۔ لہٰذا میں نے اُس کو بتا دیا ہے کہ نینوا کے جنگل میں ایک شیرنی رہتی ہے اُس سے میری طرف سے کہے کہ وہ اُس بچّے کی پرورش کرے۔

اِس واقعے کے تقریباً ڈیڑھ سال بعد ایک دن پھر جب آپ منبر کوفہ پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ لوگوں نے دیکھا کہ ایک شیرنی اور ایک شیر مسجد میں آرہا ہے۔ حضرت نے مثلِ سابق لوگوں سے راستہ دینے کی ہدایت فرمائی چنانچہ وہ دونوں مسجد میں داخل ہوئے اور زمینِ ادب کو بوسہ دیا۔ پھر شیرنی منبر

کے قریب تر پہونچی اور آپؑ کے گوشِ مبارک میں اپنی زبان میں کچھ گفتگو کی۔ آپؑ نے اُس کی زبان میں جواب دیا۔ آپؑ کا جواب سن کر وہ دونوں شرائطِ آداب بجالائے اور روانہ ہو گئے۔

لوگوں نے واقعہ دریافت کیا۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ گذشتہ سال میں نے ایک شیر کو جس شیرنی کے پاس شیر کے بچے کی پرورش کے لیے بھیجا تھا، یہ وہی شیرنی ہے جو اُس بچے کو لے کر آئی تھی، اُس نے بتایا کہ بچے کی پرورش کر کے میں نے آپؑ کے حکم کی تعمیل کر دی۔ اب یہ جوان ہو گیا ہے، اِس کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ میں نے اُسے ہدایت کی ہے کہ وہ شیر دشتِ نینوا ہی میں رہے کیونکہ ایک دن ایسا بھی آئے گا جب میری اولاد کو اُس کی ضرورت پڑے گی۔

یہی وہ شیر تھا جس کی اطلاع جناب فضہؑ کو مل چکی تھی۔

قبل اِس کے کہ ہم واقعات کو آگے بڑھائیں، یہ امر ضروری سمجھتے ہیں کہ اس واقعے کی حقیقت پر روشنی ڈال دی جائے، کیونکہ موجودہ زمانہ کے نوجوان جو حقائق سے بیخبر اور ہر اُس بات کے ماننے سے انکار کرتے ہیں جو بظاہر اُن کی عقل میں نہ آئے اور اُن کے خیال میں ممکن الوقوع نہ ہو۔ وہ لوگ جو اہلِ بیتؑ کے مراتب سے انکار کرتے ہیں اور اُن کو اپنے جیسا سمجھتے ہیں اُن سے روئے سخن اس واسطے بیکار ہے کہ وہ ان کی عظمت کے قائل نہیں جس کو عقلی دلائل سے ثابت کرنے کے لیے طولانی بحث کی ضرورت ہوگی جس کا یہ مختصر رسالہ متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے تخاطب اپنی قوم کے اُن نوجوانوں

سے ہے جو صرف اندھی تقلیدِ مغرب میں اپنا سب کچھ کھوتے چلے جا رہے ہیں، وہ چاند پر انسان کے پہونچنے کو اس لیے صحیح مانتے ہیں کہ روس اور امریکہ نے دعویٰ کیا ہے جس کے صحیح ہونے کا اب تک کوئی بیّن ثبوت نہیں ہے لیکن جناب رسولِ اکرمؐ کے معراج پر جانے اور ستارے کے خانۂ علیؑ و فاطمہؑ پر اُترنے کے ماننے میں انھیں اس لیے تامّل ہے کہ وہ علمائے اسلام نے لکھا ہے اس لیے اس پر سیر حاصل بحث کی جاتی ہے۔

واقعۂ مذکورہ پر دلائلِ عقلیہ : یہ امر کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے کہ انسان اشرف المخلوقات پیدا کیا گیا ہے اور یہ قاعدہ کلّیہ ہے کہ اشرف کو اپنے کمتر پر اختیارِ تصرّف حاصل ہوتا ہے اور کمتر تابعِ اشرف ہوتا ہے لیکن حقیقتاً انسان تمام مخلوقات پر افضل کب اور کیسے ہوتا ہے۔ نظرِ خاص میں انسان کے زیرِ حکم کوئی مخلوق نہیں ہے یعنی زیرِ تصرّف تو ہے لیکن تحتِ حکم نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جن شرائط کے ساتھ انسان کو اشرف المخلوقات بنایا گیا تھا، انسان اُن پر عمل پیرا نہ ہوا تو یہ شرف اس سے ضبط کر لیا گیا۔

پروردگارِ عالم نے بوقتِ تخلیق روحوں سے وعدہ لیا تھا کہ وہ اس کی مطیع رہیں گی۔ چنانچہ حدیثِ قدسی میں ارشاد ہوا ہے کہ اے بندے! تو میرا ہو جا تو یہ ساری دنیا تیری ہے۔" اب جو بندے اُس کے ہو کر رہے، کل مخلوق اُن کے زیرِ حکم ہو گئی۔ یہ ایک بیّن حقیقت ہے۔ آج بھی جس کا جی چاہے خدا کا ہو کر اپنی اطاعت کے مطابق دنیا پر حاکم ہو سکتا ہے۔ دروازۂ رحمت بند نہیں ہے پھر جب خالق کی طرف سے اس کی معصوم ہستی، عالمین کا امام و پیشوا بنا کر

بھیجی جائے تو ظاہر ہے کہ اس کو کتنا تصرف و اختیار دیا گیا ہوگا۔ چنانچہ سورۂ یٰسٓ میں ارشاد فرمایا" کُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰہُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ۝" "ہر شئے کو ہم نے امامِ مبین کے احصار میں دیدیا ہے" جب امام کے زیرِ حکم تمام مخلوق ہے، خواہ وہ ملائکہ ہوں یا جنّ، انسان ہوں یا حیوان، نباتات ہوں یا جمادات، کلِّ مخلوق تابع حکمِ امام ہے تو ہر امر میں امامؑ سے اجازت طلب ہوگی اور امام ہر مخلوق کی زبان سمجھے گا، ورنہ وہ ان پر حاکم نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا شیر کا امامِ وقت کی خدمت میں حاضر ہونا کوئی امرِ محال نہیں ہے۔ جو باتیں عام انسانوں کے لیے بشرائط ممکن ہیں وہ امور امامؑ کے لیے بدرجۂ اَولیٰ ممکن ہے اور بآسانی قابلِ عمل ہے عام انسانوں میں سے کوئی بھی کسی درخت کی ہزار بار منّت وسماجت اور خوشامد کرے کہ وہ اپنی جگہ سے حرکت کرے تب بھی وہ اپنی ہی جگہ پر قائم رہے گا، ایک انچ بھی آگے نہ بڑھے گا، لیکن جب خدا کے رسولؐ نے درخت کو حکم دیا تو درخت زمین چیرتا ہوا خدمتِ رسول اکرمؐ میں حاضر ہوگیا۔ آفتاب اپنی رفتار کسی کے لیے بدل نہیں سکتا لیکن امامؑ کے ایک اشارے پر غروب ہونے کے بعد اپنی چال بدل کر پھر اپنے مقام پر آجائے گا، غرض مخلوق کا زیرِ حکمِ امام ہونا یقینی ہے اور کوئی قابلِ تعجب مقام نہیں ہے۔

اب رہا یہ کہ جناب فضّہؑ تو امام نہیں تھیں، اُن کے کہنے پر شیر کیونکر آیا؟ تو ہم گذشتہ صفحات میں تحریر کر چکے ہیں کہ نفسِ مطمئنہ حاصل کرنے کے بعد رضائے الٰہی حاصل ہوجاتی ہے اور روح پاک وصاف ہوکر اس بلندی پر پہونچ جاتی ہے کہ جہاں خرقِ عادات اس سے سرزد ہوتے رہتے ہیں چنانچہ اس خادمۂ خاص نے خدمتِ اہلِ بیتؑ میں رہ کر وہ فیوض حاصل کیے کہ منزلِ کمالِ انسانیت پر پہونچ گئیں کہ ان سے کرامتوں کا ظہور

وقت تعجب خیز امر نہ رہا۔ ان کی زندگی میں بہت ایسے واقعات ہیں کہ جن سے ان کے کمالِ انسانیت پر فائز ہونے کا پتہ چلتا ہے صرف وہی نہیں بلکہ ان کی نواسی شکیلہ کے بھی کچھ عجیب و غریب تاریخی واقعات ہیں جو انشاء اللہ اپنی جگہ پر درج کیے جائیں گے۔

تاراجیٔ خیامِ حسینؑ سے لیکر کوفہ و دمشق کے دربار اور قید خانۂ شام تک جناب فضہؑ نے جس طرح اہل بیتِ اطہار کا ساتھ دیا وہ خدمات بے مثال کارنامہ کی حیثیت سے رہتی دنیا تک یادگار رہیں گی۔ ہم نے انبیائے ماسبق کے حالات پڑھے' ان کے ساتھیوں اور مددگاروں کے تذکروں کا مطالعہ کیا، لیکن حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت خاتم الانبیاءؐ تک کسی نبی یا رسول کے اصحاب کو حضرت امام حسینؑ کے اصحاب کے مقابل میں باوفا اور جری نہیں پایا۔ ان میں کوئی تخصیص نہ تھی۔ مرد ہوں یا عورتیں' بچے ہوں یا نوجوان' جواں سال ہوں یا پیر سال بزرگ ایک ایک فرد نے مودّت' وفا اور جرأت کے جو نقوش ہمیشہ کے لیے چھوڑے وہ روزِ روشن کی طرح عیاں و ضیاء بار . رقابلِ تقلید ہیں۔

مجھے تو ایک جنابِ فضہؑ کے مقابلہ میں تمام انبیائے ماسبق کے اصحاب و مددگار پست نظر آتے ہیں۔ دنیا میں کوئی مثال ایسی نہیں ہے کہ کسی کنیز نے ایسی وفاداری اور استقامت کا مظاہرہ کیا ہو۔ جنابِ فضہؑ کے کارناموں کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ دماغ معطّل ہو جاتا ہے اور یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ " اللہ ایسے لوگ بھی اس دنیا میں آئے ہیں"۔ ظلم و ستم کی وہ تیز آندھیاں جبر و تشدّد کے وہ طوفان اور ان میں اطمینانِ نفس کا یہ عالم کہ کسی جگہ کوئی ہراس نہیں'

شخصیت کے اہلبیت کا تحفظ مقابلہ میں نہ زندگی کی تمنا نہ مرنے کا خوف بس
ایک ہی دھن اور ایک جذبہ کہ حسینؑ کے بچوں اور اہلِ بیتِ حسینؑ کی خدمت پر
اپنے کو فنا کر دینا۔ مقاتل میں ہے کہ جس وقت اشقیائے کوفہ وشام، اہلِ حرم
پر ظلم وستم کرتے اور اُن کے ناپاک دستِ تعدّی جناب زینبؑ واُمِ کلثومؑ کی
طرف دُرّے لیکر بڑھتے تو یہ ضعیفہ اپنی پشت کو سپر بنا دیتیں اور دُرّوں کی
ضرب سے اُن مخدّراتِ عصمت وطہارت کو بچانے کی کوشش کرتیں۔

دربارِ ابنِ زیادؔ میں جس وقت اُس ملعون نے جنابِ زینبؑ سے بدکلامی
کی ہے اُس وقت جس جرأت وہمّت کے ساتھ فضّہؑ نے اُس ملعون کو نفرین کی ہے
وہ صفحاتِ تاریخ میں محفوظ ہیں۔ ایسے شقی اور جابر حاکم کے سامنے ایسی جرأت
سے گفتگو وہی کر سکتا ہے جو نفسِ مطمئنّہ سے متعلق ہو۔ اسی طرح دربارِ یزیدِ شوم
میں جب دربار آراستہ کیا گیا اور اہلِ بیتِ اطہار اُس ملعون کے سامنے لائے
گئے تو مقاتل میں تفصیلی طور سے مرقوم ہے کہ جس وقت یزید ملعون نے اہلِ حرم
کا جائزہ لینا چاہا تو جنابِ فضّہؑ اپنی شہزادیوں کے آگے جا کر کھڑی ہو گئیں تا کہ یہ
مخدّرات نامحرم کی نظر سے محفوظ رہیں۔ اس پر یزید ملعون برہم ہوا اور اُن کو سامنے
سے ہٹ جانے کا حکم دیا اور جب اُس ظالم وجابر کے حکم پر یہ نہ ہٹیں تو یزید
ملعون نے جبراً اُن کو ہٹانے کا حکم دیا۔ اس وقت جس جرأت وہمّت کے ساتھ
اُنھوں نے تیغ بکف غلاموں کو جو دربارِ یزید لعین میں ایستادہ تھے غیرت دلائی
کہ وہ لوگ آمادہ بفساد ہو گئے اور جس طرح اپنی شہزادیوں کو محفوظ رکھنے کی
کوشش کی وہ صرف اُن ہی معظّمہ کا کام تھا۔ قیدخانہ کے حالات میں ظاہر ہے کہ

تاریخ خاموش ہے اور ان کے متعلق کوئی خاص امر تحریر نہیں ہے لیکن قرائن سے یہ بات حدِ یقین تک ہے کہ یہاں بھی اپنی شہزادیوں کی حتی المقدور خدمت کرنے میں ممکنہ حد تک کمی نہ کی ہوگی، خاص طور پر امامِ مظلوم کی ناز پروردہ سکینہ جب تڑپ کر روتی ہوں گی تو یقیناً اُن کی دلجوئی اور خدمت کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا ہوگا اور جس وقت اس یتیم بچّی نے داغِ مفارقت دیا ہوگا اُس وقت بھی اُنھوں نے ممکن خدمات انجام دینے میں کمی نہ کی ہوگی۔ میرے دل کو یقینِ کامل ہے کہ اس عظیم سانحہ میں اُس معصومہ کی آخری خدمات اُنھوں نے ہی انجام دی ہوں گی اور اہلِ بیتؑ کی اس بیچارگی اور مجبوری کے عالم میں اُن کی ہر امکانی کوشش اہلِ بیتؑ کے مصائب و آلام کے کم کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہوں گی۔

△ قیدِ دمشق کے بعد سے وفات تک کے حالات

قیدِ شام سے رہائی کے بعد آپ اہلِ بیتؑ کے ہمراہ مدینہ منوّرہ تشریف لائیں اور ۶۳ھ تک آپ کا مدینہ منوّرہ میں موجود ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن اس دور کے حالات پر بالکل (گویا) پردہ پڑا ہوا ہے اور تواریخ بالکل خاموش ہیں لیکن روایات سے یہ معلوم ہوا کہ جس وقت جناب امام زین العابدینؑ کی دربارِ یزید سے دوبارہ طلبی کا حکم جاری ہوا اور جناب زینبؑ ان کے ہمراہ تشریف لے گئیں، تو یہ بھی اپنی شہزادی کے ہمراہ تھیں اور بعدِ شہادتِ جناب زینبؑ آپ کوفہ تشریف لے گئیں اور اپنے چاروں فرزندوں کے ہمراہ

قیام پذیر رہیں اور وہیں اُن کی وفات ہوئی۔ چنانچہ "خصائصِ زینبیہؑ" میں جناب شیرازی رقمطراز ہیں کہ "جب یزیدؔ کو یہ اطلاع ملی کہ لوگ حضرت علیؑ ابن الحسینؑ کے یہاں جمع ہوتے ہیں تو اُس نے مدینہ کے گورنر کو لکھا کہ امام علیؑ ابن الحسینؑ کو اُس کے پاس بھیج دیا جائے۔" چنانچہ جس وقت حضرت مدینہ سے روانہ ہونے لگے تو دُکھیاری پھوپھی فرطِ محبت سے بیتاب ہو گئیں اور اُن کے تنہا جانے پر راضی نہ ہوئیں بلکہ خود بھی ہمراہ تشریف لے گئیں اس وقت یہ خاندانی خادمہ بھی اُن کے ہمراہ تھیں، اور جس وقت جناب زینبؑ اُس شجر کے نیچے قیام پذیر ہوئیں اور آپ کی شہادت واقع ہوئی تو جناب فضہؑ ہی نے کُل امورِ غسل و تکفین انجام دیے اور اس کے بعد آپ بجائے مدینہ واپس جانے کے کوفہ چلی گئیں اور وہیں قیام پذیر ہو گئیں۔ لیکن چونکہ جناب زینبؑ کا دوبارہ مدینہ سے شام جانا اکثر علماء کے نزدیک اور خاصکر صدر المحققین سرکارِ ناصر الملت، جناب مولانا السید ناصر حسین صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہما اور اُن کے پدرِ عالیقدر جناب علامہ السید حامد حسین صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہٗ کی تحقیق میں صحیح نہیں ہے بلکہ آپ نے اس کی تردید فرمائی ہے

ان حضرات کرام کی تحقیق یہ ہے کہ جناب زینب سلام اللہ علیہا دوبارہ مدینہ سے تشریف نہیں لے گئیں اور مدینہ ہی میں وفات پائی اور جنت البقیع ہی میں آپ کی قبرِ مطہر ہے۔ درایتہً بھی یہ روایت معیارِ صحت پر پوری نہیں اُترتی، کیونکہ امام چہارمؑ کے اس ارشاد کے بعد کہ پھوپھی اماں آپ پریشان نہ ہوں مجھے اس سفر میں یزید سے کوئی گزند نہیں پہونچے گا اور میں راستہ ہی

سے واپس آجاؤں گا۔ چنانچہ آپؑ بہ اعجازِ امامت واپس آگئے۔" ظاہر ہے کہ امامؑ کی یقین دہانی کے بعد آپ کا مطمئن نہ ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

اس جگہ پر ایک چیز جو اس روایت کے صحیح ہونے کی دلیل ہے وہ جنابِ زینبؑ کا روضۂ اقدس جو دمشق کے قریب واقع ہے، کے متعلق لوگوں کو یہ شبہ پیدا ہونا فطری ہے کہ اگر یہ واقعہ غلط ہے تو آپؑ کا روضۂ اقدس وہ کیونکر ہو سکتا ہے لیکن اس قسم کی متعدد مثالیں اور بھی موجود ہیں جو خلاف ہوتے ہوئے بھی مشہور ہو گئی ہیں۔ چنانچہ مصر میں مدفون راس الحسینؑ کی موجودگی۔ اسی طرح اور بھی ایک دو مقامات ہیں جہاں کہا جاتا ہے کہ راس الحسینؑ (سرِ اقدس حسینؑ) دفن ہے، حالانکہ محققین کے یہاں طے شدہ امر ہے کہ راس الحسینؑ کربلا میں آپؑ کے جسمِ مطہر کے ساتھ ہی مدفون ہے۔ اسی طرح جناب سکینہؑ کی قبر قید خانۂ شام میں بنی ہوئی ہے حالانکہ یہ مخدومہ واقعۂ کربلا کے وقت سنِ رشد کو پہونچ چکی تھیں اور آپ نے کافی طویل عمر پائی۔ قید خانۂ شام میں ایک بچی کا انتقال کرنا ثابت ہے لیکن وہ جنابِ سکینہؑ نہیں تھیں، بلکہ اس بچی کا نام رقیہ لکھا گیا ہے۔

بہر حال یہ طے شدہ امر ہے کہ تا حیات جناب زینبؑ کے ساتھ جنابِ فضہؑ مدینۂ منورہ ہی میں مقیم رہیں۔ اس کے بعد کوفہ میں اپنے لڑکوں کے ساتھ قیام پذیر رہیں۔ کوششِ بسیار کے باوجود یہ پتہ نہیں چل سکا کہ آپ کے چاروں فرزندوں میں سے کوئی بھی واقعۂ کربلا میں شامل کیوں نہیں ہوا حالانکہ یہ امر ظاہر ہے کہ آپ کی کل اولاد محبتِ اہلِ بیتؑ میں سرشار تھی اور معرفتِ امامؑ میں اُن کو وہ مقام حاصل تھا جہاں ہر شخص کا پہونچنا محال ہے اور زہد و تقویٰ کے اُن اعلیٰ

مقامات پر فائز تھے جہاں وابستگانِ دامنِ امامت کو ہونا چاہیے۔ اس صورت میں بجز اس امر کے کہ یا تو قبلِ واقعۂ کربلا جو محبّانِ اہلِ بیتؑ قید کر لیے گئے تھے ان ہی میں یہ چاروں حضرات بھی شامل تھے، یا پھر ناکہ بندی ہو جانے کی وجہ سے محصور ہو کر مجبور ہو گئے۔ اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ ورنہ اولادِ جناب فضہؑ کے معرکۂ کربلا میں موجود نہ ہونے کے اور کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔

۵ جنابِ فضہؑ کا زبانِ قرآن میں گفتگو کرنا

وہ تمام کتبِ تاریخ جن میں جناب فضہؑ کا تذکرہ ہے یہ امر واضح طور سے مرقوم ہے کہ بیت الشرفِ آلِ محمدؐ سے نکلنے کے بعد سے تاحیات جناب فضہؑ نے سوائے زبانِ قرآن مجید کے اور کسی زبان میں کلام نہیں کیا اور یہ مدت تقریباً بائیس سال ہے۔ چنانچہ مناقب شہر آشوب سے یہ واقعہ تفصیلاً نقل کر کے درج کیا جاتا ہے۔ صاحبِ مناقب نے یہ روایت مستند راویوں سے ابوالقاسم دمشقی تک پہونچائی ہے، فرماتے ہیں کہ راوی نے بیان کیا اس سے ابوالقاسم دمشقی نے بیان کیا۔ اصل عبارت درج ذیل ہے:

"روزے در بیابانِ درمیان کوفہ و مکہ گذر کردم دیدم کہ یک مخدّرہ درمیانِ آں بیابان تنہا نشستہ است۔ قریب رفتم و سوال کردم: شما کیستی؟ آں محترمہ جواب داد: قُلْ سَلَامٌ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ

سلام کردم و گفتم از قومِ انسان ہستی یا از قومِ جن ؟
جواب داد: يَا بَنِيْ آدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ
پس معلوم شد کہ از قومِ آدمؑ است۔ سوال کردم کہ دریں بیابان چہ میکنی
گفت: يُنَادُوْنَ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ:
سوال کردم از کجا می آئی ؟
گفت: مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ : فہمیدم، از مقامِ دور و دراز آمدہ است: سوال کردم ارادہ کجا رفتن است ؟
گفت: وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا : فہمیدم، برائے حجِ بیت اللہ می رود:
سوال کردم: چند روز گذشت کہ از قافلہ دور ماندہ
گفت: وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ : معلوم شد کہ از شش روز از قافلہ دور ماندہ است۔
سوال کردم: از آب و طعام رغبت داری ؟
گفت: وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ :
معلوم شد کہ خواہشِ طعام دارد، طعام پیش کردم خورد۔ خواہشِ تعجیل برائے رفتن کردم:
گفت: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا :
گفتم شما را بر ردیفِ خود سوار کنم:
گفت: لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا :

پس او را سوار کردم و خود پیادہ شدم۔

گفت : اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا۔

چوں نزدِ آں قافلہ رسیدیم، سوال کردم : کہ دریں قافلہ کسے عزیز داری کہ او را اطلاع کنم :

گفت : یَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلۡنٰکَ خَلِیۡفَۃً فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ؛ یَا یَحۡیٰی خُذِ الۡکِتٰبَ ، یَا مُوۡسٰی اِنِّیۡۤ اَنَا اللّٰہُ ۔ پس در قافلہ رفتم و بدیں چہار اسم بانگ برداشتم ۔ چہار جواں بہ سوئے آں معظّمہ توجّہ کردند :

سوال کردم کہ ایں جواناں کیستند ؟

گفت : اَلۡمَالُ وَ الۡبَنُوۡنَ زِیۡنَۃُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا :

فہمیدم کہ فرزندانند : پس بایشاں خطاب کردہ فرمود : اِسۡتَاۡجِرۡہُ اِنَّ خَیۡرَ مَنِ اسۡتَاۡجَرۡتَ الۡقَوِیُّ الۡاَمِیۡنُ ۔

پس آں جواناں مکافات کردند و چند پول بمن عنایت کردند۔

دوبارہ گفت : وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ :

پس آں جواناں اضافہ بر احسان نمودند۔ ازاں جواناں پرسیدم کہ ایں معظّمہ کیستند ؟ جواب دادند کہ ایں معظّمہ مادرِ ما، جاریۂ جناب فاطمۂ زہرا[۲] مسمّٰی بہ فضّہ ہستند : بست سال گذشت کہ بجز از قرآن تکلّم نہ فرمود۔

ترجمۂ روایت : ابو القاسم دمشقی قشری بیان کرتے ہیں کہ ایک عرب حج کرنے کوفہ سے چلا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ میں ایک ویران مقام پر قافلے

پیچھے رہ گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک معظمہ ایک میدان میں تنہا بیٹھی ہیں میں اُن کے قریب گیا اور دریافتِ حال کیا۔ اُنھوں نے قرآن کی آیت پڑھی "قُلْ سَلَامٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ" یعنی پہلے سلام کرو پھر معلوم کرو۔

چنانچہ میں نے سلام کیا پھر دریافت کیا کہ آپ کون ہیں، قومِ جن سے ہیں یا بنی آدم ہیں؟ جواب دیا: یَا بَنِیْ آدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ۔ یعنی اے بنی آدم اپنے کو زینت دو مسجدوں سے (ہر نماز میں اپنے کو زینت دیا کرو)۔ پس میں نے سمجھا کہ بنی آدم ہیں۔ پھر میں نے سوال کیا کہ آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟

فرمایا: یُنَادُوْنَ مَنْ یَّهْدِی اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ یعنی جس کی خدا ہدایت کرتا ہے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ میں سمجھ گیا کہ راہ بھول گئی ہیں۔

میں نے دریافت کیا کہ آپ کہاں سے تشریف لا رہی ہیں؟

فرمایا: مِنْ مَّکَانٍ بَعِیْدٍ یعنی دور سے تشریف لائی ہیں۔

پھر میں نے سوال کیا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟

فرمایا: لِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ لِمَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا: یعنی اللہ کی طرف سے انسانوں پر حج بیت اللہ فرض کیا گیا ہے بشرطیکہ استطاعت رکھتا ہو۔ میں سمجھ گیا کہ حج کیلئے جا رہی ہیں۔

پھر میں نے سوال کیا کہ کتنے دنوں سے سفر میں ہیں؟

فرمایا: وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ۔ یعنی اور ہم نے چھ دنوں میں آسمانوں اور زمین کو خلق فرمایا: میں سمجھ گیا کہ

چھ دن سے سفر میں ہیں۔ پھر میں نے سوال کیا کہ کچھ کھانے کی خواہش ہے؟
فرمایا: مَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ
یعنی ہم نے اُن کے جسم ایسے نہیں بنائے کہ وہ غذا نہ کھائیں"۔ میں سمجھ گیا کہ معظمہ بھوک محسوس کر رہی ہیں۔ لہٰذا میں نے کھانا پیش کیا۔ کھانے کے بعد میں نے چلنے کے لیے جلدی کی۔
فرمایا: لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا خدا نے قوت سے زیادہ تکلیف نہیں دی۔ میں نے عرض کیا کہ اگر آپ چلنے کی طاقت نہیں رکھتیں تو میری سواری حاضر ہے۔
فرمایا: لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا: یعنی اگر ایک خدا کے سوا کئی خدا ہوتے تو دونوں (آسمان وزمین) فاسد ہو جاتے۔
پس میں نے ان کو سوار کیا اور خود پیدل چلا۔ اُنھوں نے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هٰذَا یعنی قابلِ حمد ہے وہ خدا جس نے ہمارے لیے اس کو (سواری کو) مسخّر کیا۔
جب ہم منزل پر پہونچے تو میں نے دریافت کیا کہ آپ کا کوئی عزیز اس قافلہ میں ہے جس کو میں اطلاع دوں؟
فرمایا: يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً، وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ، يَا يَحْيَىٰ خُذِ الْكِتَابَ، يَا مُوسَىٰ إِنِّي أَنَا اللَّهُ: یعنی اے داؤد ہم نے تم کو زمین پر خلیفہ مقرر کیا، محمدؐ نہیں ہیں مگر (ہمارے) رسول؛ اے یحییٰ! یہ کتاب (پکڑ) لو۔ اے موسیٰ!

تو اپنے کو ان کا غلام کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ بہر حال ہمیں چاہیے کہ اب ہم اپنے نفسوں کی درستگی اور کردار کی اصلاح کرنے کی کوشش کریں اور صرف زبان سے نام حسینؑ لینے، مجالسِ عزا برپا کر کے کانوں کو خطابت سے لطف اندوز کرنے اور نوحہ و ماتم برپا کرنے پر اکتفا نہ کریں بلکہ اس واقعۂ عظیمہ میں انصار و اقربائے امام مظلوم کے کردار کی روح پر نظرِ فکر و غور ڈالیں اور اس روحِ عمل کی پیروی کو اپنا شعار بنائیں۔

صاحبِ مناقب تحریر فرماتے ہیں کہ جناب فضہؑ بائیس ۲۲ یا تیئیس ۲۳ سال مدینہ چھوڑنے کے بعد زندہ رہیں۔ تاریخ یا سنِ وفات کا کسی تاریخی کتاب سے پتہ نہیں چلتا۔ اس واقعہ کے بعد تاریخ بالکل خاموش ہے لیکن اندازاً یہ پتہ چلتا ہے کہ اگر ۶۳ھ یا ۶۴ھ میں مدینہ چھوڑا تو ۸۶ھ یا ۸۷ھ تک زندہ رہیں اور اپنی مخدومہ سے ۲، ۷ یا ۳، ۷ سال اس دنیا میں جدا رہ کر دارِ بقا و جاودانی کو روانہ ہو گئیں اور اپنی مخدومہ کی خدمت میں پہونچ گئیں اور دنیائے اسلام کی عورتوں کے لیے اپنے کردار سے وہ سبق دے گئیں کہ اگر وہ ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کریں تو کمالِ انسانیت کی اس منزل پر پہونچ سکتی ہیں جو پیروانِ آلِ محمدؐ کا مقام ہے۔

اے جناب سیدہؑ کی کنیز! اے ہماری مخدومہ! اے حسینؑ اور اُن کے بچوں کی پروانہ! ہم گنہگاران و غلامانِ آلِ محمدؐ کا آپ پر سلام ہو اور خدا کی رحمتیں آپ کی روحِ اقدس پر برابر نازل ہوتی رہیں۔ بی بی! ہم آپ کی مخدومہ کے صرف نام لیوا ہی سہی لیکن وابستگی تو رکھتے ہیں۔ روزِ محشر ہم کو نہ بھول جائیے گا

اور اپنی مخدومہ سے جب روزِ محشر ہم گنہگاروں کی فردِ حساب پیش ہوں تو آپ سفارش فرما کر بہرہ یاب کرا دیجیے گا اور اپنے ہمراہ ہم کو بھی خدمتِ سید الشہداء میں پہونچا دیجیے گا۔

اب آخر میں جناب فضہؒ کی نواسی کی ایک عظیم کرامت سپرد قلم کی جاتی ہے تاکہ ناظرین اس پورے گھر کی عظمت کا اندازہ کر سکیں اور دیکھیں کہ صرف جناب فضہؒ ہی ان درجات پر فائز نہیں تھیں، بلکہ اُن کی آغوشِ تربیت کے پلے ہوئے بھی کردار و یقین کی کس بلند منزل پر فائز تھے۔

۵ جنابِ فضہؒ کی نواسی شکیلہ کی کرامت کا ایک واقعہ

صاحبِ مناقب تحریر فرماتے ہیں کہ جناب فضہؒ کی ایک صاحبزادی تھیں جن کا اسمِ گرامی مسکہ تھا۔ ان کی ایک لڑکی تھیں جن کا نام شکیلہ تھا۔ وہ زہد و عبادت میں اپنے زمانہ کی تمام مومنات میں امتیازی شان رکھتی تھیں۔ شب و روز عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتی تھیں جس کی وجہ سے وہ اُن درجاتِ عالیہ پر فائز تھیں جن پر ہر شخص نہیں پہونچ سکتا۔ آپ سے اکثر و بیشتر کرامات کا ظہور ہوتا رہتا تھا۔

چنانچہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ حج بیت اللہ کے لیے ایک قافلے کے ساتھ روانہ ہوئیں۔ آپ کا ناقہ بہت کمزور تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ قافلے سے پیچھے رہ گئیں کیونکہ آپ کا ناقہ چلنے سے معذور ہو کر بیٹھ گیا۔ آپ نے مجبوراً ناقے

کو آزاد کر دیا، اور میدان میں ایک درخت کا سہارا لیکر بیٹھ گئیں جنگل میں تنہا تھیں اور وہاں سے نکلنے کا کوئی ذریعہ نظر نہ آتا تھا۔ اس مایوسی کے عالم میں آپ نے آسمان کی طرف نظر کی اور کہا، پروردگارا! میں تیرے گھر کا حج کرنے کے لیے گھر سے نکلی تھی مگر اس سعادت سے بظاہر محروم ہو گئی ہوں اور اس عالمِ غربت میں تنہا ہوں، ناقے نے رفاقت سے منھ موڑ لیا ہے اب سوائے تیرے کوئی سہارا نہیں ہے۔ میری مدد فرما۔

آپ کے دہنِ مبارک سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ سامنے سے ایک عرب ناقہ لیے ہوئے آتا نظر آیا اور قریب آکر ناقے کی مہار آپ کے ہاتھ میں دے دی اور خود واپس چلا گیا۔ آپ نے شکرِ خدا ادا فرمایا اور ناقے پر سوار ہو گئیں وہ ناقہ اس تیز رفتاری سے چلا کہ آپ اپنے چھوٹے ہوئے قافلے سے پہلے ہی مکۂ معظمہ پہونچ گئیں۔ لوگوں نے حیرت زدہ ہو کر قافلے سے پہلے پہونچ جانے کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ میں جس کے گھر کی زیارت (حج) کو نکلی تھی، اس نے تم لوگوں سے قبل یہاں پہونچا دیا۔

پھر آپ نے تفصیل سے پورا واقعہ سُنایا۔ لوگوں کو نہ صرف اس عجیب قصّہ سے حیرت ہوئی بلکہ آپ کی کرامت، مراتب اور قربِ الٰہی کی جو منزلت آپ کو حاصل تھی، سے واقف اور معترف ہوئے اور آپ کی عزت و توقیر کرنے پر مجبور ہوئے۔

یہ تھا، تربیتِ جنابِ فضّہؑ کا کرشمہ جو تین پشتوں تک اپنا اثر دکھاتا رہا۔ اُن کی آغوشِ تربیت میں پرورش پانے والوں کی فطرت میں محبتِ اہلِ بیتؑ

رَچ بس گئی تھی اور اطاعتِ الٰہی فطرتِ ثانیہ بن گئی تھی جس نے اُن کو اور اُن کی اولاد کو ان اعلےٰ مراتب اور بلند درجات تک پہونچایا کہ رہتی دنیا تک ان کے نام اور کارنامے لوگوں کے لیے باعث تاسّی و قابلِ تقلید رہیں گے۔ آخرت میں ان کے مدارج و مراتب جس قدر ارفع و اعلیٰ ہوں گے ان کا احصاء بھلا ہم جیسے بے بضاعت کیسے کرسکتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

کتب جن سے استفادہ کیا گیا

نام کتاب	نام مصنف
مناقب ابنِ شہر آشوب	محمد بن شہر آشوب رہ
بحار الانوار	جناب علامہ محمد باقر مجلسیؒ
کتاب الانساب	جناب شیخ مفیدؒ (محمد بن محمد بن نعمان)
مقتل ابنِ مُخنف	ابنِ مُخنف
نور العینین فی مقتلِ الحسینؑ	ابو الفرج
خصائصِ زینبیہ	علامہ شیرازی
سیرۃ الائمہ	علامہ حامد حسین صاحب قبلہ

خاتمۃ الکتب

ہزار ہزار شکر ہے اُس ذاتِ واجب و واحد کا جو رحمٰن و رحیم ہے جس نے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے صدقہ میں اپنی رحمتِ لا متناہی کو کام میں لاکر مجھ ایسے گنہگار اور بے بضاعت کی مدد فرمائی اور اس خدمت کے بجالانے کی توفیق اور جذبہ عطا فرماکر میرا نام بھی محمدؐ و آلِ محمدؐ کے مدّاحوں کی فہرست میں درج فرمالیا۔ ورنہ چہ نسبت خاک را بعالمِ پاک، کہاں میں اور کجا جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی کنیزِ خاص کی خدمت و مدحت۔ اسی علمی بے بضاعتی کے سبب سلیقۂ تحریر بھی نہیں پھر پیرانہ سالی نے اعضائے رئیسہ کو کمزور کردیا، اب نہ دماغ قابو میں ہے نہ قلب۔ پھر یہ کہ تقریباً دو سال سے مرضِ قلب میں مبتلا ہونے کی وجہ سے دماغ کو بھی سہو و نسیان کا مریض بنا دیا۔ بقول شاعر ؎

بھلایا وحشتِ دل نے پڑھا تھا جو دبستاں میں
فقط اک نام گُل کا یاد ہے ساری گلستاں میں

بہر حال دو سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد کتاب کی تکمیل کی نوبت آئی۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ میری حیات میں یہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہونچ سکے گی مگر اُس کی رحمت اور مولا کی مدد سے اس کتاب کی تکمیل کی قوت و صلاحیت عطا ہوئی اور آج بتاریخ ۲۷ شوال المکرم ۱۳۹۵ھ کو یہ کتاب اتمام کو پہونچی اور اب یہ ہدیۂ ناظرین ہے۔ ناظرین سے گذارش ہے کہ مجھے اپنی علمی بے بضاعتی

کا بلاء

دعویٰ نہیں کر سکتا، کیونکہ حقیقۃً طالبِ علم تو و

جنھوں نے اپنی عمریں طلبِ علم میں صرف کر دیں۔

ناچیز، جس کے پاس نہ دولتِ دنیا ہے نہ دولت

دولت میرے پاس ہے جس پر مجھے پورا اعتماد

دنیا کی سلطنتیں ہیچ ہیں اور وہ دولتِ دامنِ اہلِ

اور اسی پر تکیہ۔ بقولِ سیّد صاحب تعشق

دولتِ دامنِ سلطانِ امم ہا

دین و دنیا صفتِ تیغِ دو دم ہاتھ

اور اپنے معبودِ حقیقی سے یہی دُعا ہے کہ مجھے دولد

دولتِ ایمان ہی سے سرفراز رکھے اور مرتے د

دامنِ اہلِ بیت چھوٹنے نہ پائے، اُن کی اور اُن کے

کرتے ہوئے دنیا سے اُٹھوں بس یہی ایک سہارا

ہے۔ راتوں کو اس در کی خاک چھانتا ہوں اور اس ک

محفوظ رکھ کر صبح کو سپردِ قلم کر دیتا ہوں۔

بہر حال ناظرین سے التماس ہے کہ اس کتاب

ان کو میری بے بضاعتی پر محمول فرما کر درگذر فرمائیں

یاد فرمائیں اور ان غلطیوں سے ... مطلع ... اشا

پیشانی